

گوریاں

ناوَّا گھر

ان کا نیالا ج ایک عظیم تکوان نما بلڈنگ کے کونے کا ایک حصہ تھا جبھی انہوں نے اس کا نام ناوَّا گھر رکھ دیا تھا بلڈنگ کی پہلی منزل میں گودام اور روکانیں تھیں۔ کونے کے قریب تنگ سی سڑیاں دوسری منزل میں چلی گئی تھیں۔ جہاں غسل خانہ باور پی خانہ ایک دالان اور رومرے تھے۔ جن کے ایک طرف جدھر ٹک واقع تھی لکڑی کا جنگل ابنا ہوا تھا۔ جواب بوسیدہ ہو چکا تھا۔ باور پی خانے اور غسل خانے کے اوپر ایک نیم چھتی تھی۔ جسی کا دروازہ اور پی کی سڑیوں کے درمیان کھلتا تھا اور اپر تیسری منزل میں ایک کمرہ ایک وستق برساتی اور پچھلی چھت تھی۔

ناوَا گھر میں پہنچتے ہی جاہ نے اعلان کر دیا کہ وہ دوسری منزل میں قیام کرے گا۔ یہ کمرہ، وہ بولا ”ہمارا بیڈروم رہے گا“ وسرام کرہ سٹنگ روم اور اس دالان کو ہم کھانے کا کمرہ بناسکتے ہیں۔“

”کیوں بھاجی نے پوچھا“

بھانے دالان سے ماحقر جنگل کی طرف دیکھا ”بالکل“ وہ بولا ”یہ جنگلہ نماز کے لئے کتنا موزوں ہے ہے ناپال“
وہ سب جی کے پیار سے پال کھا کرتے تھے۔

”بالکل“ پال چلایا ”اور جنگلے میں یہاں حمام رکھ دیا جائے تو مخصوص کی جگہ بھی بن جائے گی“ اور ایلی ”جاہ بولا“ تم چاہو تو یہیں ہمارے ساتھ رہو۔ ہاں اور اگر وہ تمہارا دوست بخوبی آنا چاہے تو آجائے ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ تم کہتے ہو نا وہ اچھا لڑکا ہے تو اچھا ہی ہو گا اور اگر ایسا ہی ہے تو آجائے کیا حرج ہے اوپر کا کمرہ ہم اس کے لئے مخصوص کر دیں گے۔ کیا نام ہے اس کا ہاں جمال جمال

”آجائے تو بہتر ہے“ بھا بولا ”پانچ ہو جائیں گے تو کنایت رہے گی اور تم ایلی تم

کہاں رہو گے؟“

”میں میں،“ ایلی نے کہا ”میں تو نیم چھٹی میں رہوں گا۔“

”نیم چھٹی؟“ جاہ کے ہونٹ خاترات سے کھلنے ”ہوں نیم چھٹی“ وہ انگلیاں چلاتے ہوئے کہنے لگا۔ اس نیم چھٹیوں سے بچپنی ہے۔ کھلنے کروں سے نہیں بس ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ جو ذہنی طور پر خود نیم چھٹی ہو وہ وہ خاموش ہو گیا۔

جاہ کے منہ سے ایسی بات ہن کرایلی نے بھی براہ مانا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایلی نے جاہ کی ڈینی عظمت کو پیارے دل سے تسلیم کر رکھا تھا۔ اس کے دل میں جاہ کے لئے محبت بھی تھی اور اصرار میں بھی بگردبڑے احترام اُنٹھتک حاوی ہو چکا تھا کہ اس کے بوجھ تلے محبت دلب کر رہا گئی تھی۔ وہ جاہ کی بات سے ڈرتا تھا۔ تمثیر سے ڈرتا تھا۔ لیکن اس ڈر میں نفرت کا غصہ نہ تھا۔ ایلی جاہ کے قریب رہنے کی خواہش کے باوجود اس سے ڈراہبٹ کر رہنا پسند کرتا تھا۔ اس لئے ناؤ گھر کو دیکھتے ہی اس نے نیم چھٹی میں رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ کہیں جاہ اسے اپنے کمرے میں رہنے پر مجبور نہ کرو۔ اس لئے جاہ کی بات سننے کے بعد ایلی نے اطمینان کا سانس لیا کہ شکر ہے طوفان انکل گیا۔ مطلع صاف ہو گیا اور اب وہ اطمینان سے نیم چھٹی میں اکیلا رہے گا اور شہزاد چھپن سے میڑھیوں سے اترے گی اور نیم چھٹی میں جھانک کر کہنے لگی۔ چلو ناچائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔

جمال تیری منزل کے کمرے کو دیکھ کر ان تین کھڑکیوں کی طرف لپکا جو سڑک کی طرف کھلتی تھیں۔ کھڑکیوں کو کھول کروہ خوشی میں چلایا۔

”اے یہاں سے تو سامنے محلے کے سارے مکانات نظر آتے ہیں۔ کتنے خوبصورت مکانات ہیں۔ کھاتے پیتے فیشن اسپل لوگ رہتے ہوں گے کیوں ایلی؟“ ایلی کو یہ بات نہ سوچھی تھی ”ظاہر ہے“ وہ بولا
”لیکن“ جمال نے ہاتھ سے بال سنوارتے ہوئے کہا ”ڈر اور رہیں“

پھر وہ برساتی کی کھڑکیوں میں جا کھڑا ہوا ”یہاں سے تو اور بھی اچھا ہی“ اس نے ایک بھر پور مسرت بھری نگاہ ایلی پڑالی ”ذراغور سے دیکھو“ وہ چلا یا اور جسم کھجانے لگا۔

پھر وہ مکان کی عقبی دیوار کے پردے پر جا کھڑا ہوا اور چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا

”اوہ ہوں اس جانب تو امید کی کوئی صرف نہیں“ ”زروہ سے پھر ملاقات نہیں ہوئی کیا“ ایلی نے پوچھا

”زروہ“ جمال نے قہقہہ لگایا ”تو بہے یاڑا“ اس نے ہستے ہوئے اپنا کان پکڑ لیا۔

”تو بہے یا راتنی تکلیف ہوئی کہ جس کی اب تا نہیں لائیں ظام بیماری ہے یہ کتو بہ ہے۔ بیوی کے سامنے سارا بھانڈہ پھوٹ گیا اور معلوم ہے ڈاکٹر کیا کہتا تھا۔ کہتا تھا یہ بیماری کبھی نہیں جاتی۔ کبھی نہیں، اب میں نے تو بہ کر لی ہے“ اس نے پھر قہقہہ لگایا ”بالکل تو بہ کر لی ہے لیکن یا رتم کتنے اچھے ہو“ وہ خاموش ہو گیا

”تمہارا جواب نہیں ایلی ووست ہو تو ایسا ہو“ اس نے ہستے ہوئے ایلی کے دلوں ہاتھ پکڑ لئے ”ایسا کمرہ میرے لئے مخصوص رکھا جس کا جواب نہیں۔ جواب نہیں ایمان سے اور پھر محلہ کے عین مقابل اور محلہ بھی فیشن استبل لوگوں کا بھی واہ خواب گزرے گی۔ جوں بیٹھیں گے دیوانے دو“ جمال نے پھر قہقہہ لگایا ”تم نیم چھتی میں اور میں چوبارے میں واہ واہ واہ اور وہ پھلی منزل والے دور یار ایلی وہ وکتابوں میں جیتے ہیں۔ کتابیں ہی کتابیں حد ہو گئی یاڑا“

بانورہ ہوشمند

ابھی وہ نیم چھتی میں چیزیں لگانے میں مصروف تھا کہ کریںٹ ہوٹل کا باور پی دئے آگیا۔

”بابو جی“ وہ بولا ”آپ کوئی بے بلار ہے ہیں“

یچے بیڈروم میں جاہ، بھا اور پال بیٹھے ایلی کا انتظار کر رہے تھے

”ہاں بھئی“ اسے دیکھ کر جاہ نے کہا ”بیٹھ جاؤ۔ اچھا ہوا کہ جمال نے یہاں آنا پسند کر لیا۔ اچھا ہوا، اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ خاصہ ہے خاصہ میرا مطلب ہے، ”اس نے مسکراتے ہوئے کہا“ گورا شم کا ہے، بشرطیکہ تاگوار ہونا نہ شروع کر دے۔ کیوں پال ”جاہ کا مزاح اسی حد تک سبک ہوتا تھا کہ اس کا اور اسک مشکل سے ہوتا تھا۔ لیکن ایلی نے جاہ کی خصوصی مسکراتہ سے بھانپ لیا کہ وہ اپنے مزاح کی داد کا طالب ہے۔ ایلی نے قہقہہ لگایا۔

”ہے تا، وہ ایلی سے مخاطب ہوا“ لیکن انہ وقت مسئلہ درپیش یہ ہے کہ اپنا نوکر دتے اپنے ہمراہ ایک نوکر لایا ہے تو جو توہینیں یہاں رکھنا ہی ہوا۔ اس سے کہا تھا کہ بھئی کوئی جانا پہچانا نوکر لادو۔“

”بالکل“ پال نے کہا ”نوکر کے بغیر کیسے ہوگا۔“

”لیکن وقت یہ ہے“ جاہ نے کہا ”کہ یہ نوکر جو وہ لایا ہے اس کا جانا پہچانا نہیں اور بندہ تو جانے پہچاننے کے معاملے میں پیوقوف ہے“ جاہ اس روز مزاح کے موڑ میں تھا۔

”جوڑ نے یا لفی کرنے کی بات ہوتو میں حاضر ہوں“ پال نے کہا

”یتو کھانا پکانے کی بات ہے“ بھانے کہا

”اچھا؟“ جاہ تعجب سے بولا

”معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے“ پال کی ناک اور بھی لمبی ہو گئی۔

”کھانے کے متعلق میں صرف اتنا جانتا ہوں“ جاہ نے کہا کہ نمک اور مرچ ہوتو کھانا ٹھیک ہوتا ہے اور نمک مرچ کی مجھے خوب پہچان ہے۔ وہاں کریسٹ میں کھانے کی میز پر جب کوئی چلاتا۔ وہ نمک سمجھ جو تو دفلتا مجھے احساس ہوتا کہ میں بھی سوچ رہا تھا کہ آخر کھانے میں کس بات کی کمی محسوس ہو رہی ہے ایلی نے قہقہہ

لگایا۔ اس پر جاہ نے بڑے التفات سے ایلی کو مخاطب کر کے کہا ”کیوں میاں ہے تا
یہی بات“

لیکن بھانے کہا ”معاملہ تو یہ ہے کہ تو کر کی تجوہ مقرر کی جائے۔“
”بیخ اجازت دیں“ جاہ مسکرا یا۔ تو بندہ کتاب پڑھنے کا کام کرے چونکہ اس
معاملے میں اپنا ہونا نہ ہوتا رہے ہے۔ اثاثاً پنا خل دینا نقصان دہ ہو گا کیوں پال جی؟“
”لو جی یہ گیا غفار“ وہ چلا کر بولا۔

غفار پٹلا دبلا سانوا لاؤ جو جوان تھا۔ اس کے اُتش تکھے تھے اور بشرے پر ذہانت کے
آثار تھے۔

”سلام علیکم“ اس نئے بے پرواں سے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر خود ہی بات
شروع کی ”دیکھنے صاحب“ وہ بولا میر امام غفار ہے۔

”ذر اٹھبریے“ جاہ نے اس کی بات کاٹی ”کیا آپ اپنا نام نہیں بدلتے؟“
غفار نے غور سے جاہ کی طرف دیکھا

”آپ کا نام خاصہ یو جھل ہے“ ”جاہ بولا“ سارے حلقات کو تکلیف ہوتی ہے۔
میرے لئے تو آپ کو بلانا مشکل ہو گا۔

”جی صاحب“ غفار نے مسکرا کر کہا ”نام تو گفار ہی ہے اگر چہ گھر کے لوگ مجھے
پیار سے بانورہ کہتے تھے“

”اگر ہم بھی بانورہ کہیں تو آپ کو اعتراض تو نہ ہو گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں
کہ کہیں گے محبت سے“ جاہ مسکرانے لگا۔

”اجی محبت سے پکاریے تو جو جی میں آئے کہئے“ غفار بولا
”اچھا بھی بانورے“ بھانے بمشکل مطلب کی بات شروع کی ”تمہیں پانچ
آدمیوں کا کھانا پکانا ہو گا۔ سو دا بھی خود ہی لانا ہو گا۔ تو یہ بتاؤ کہ تم لوگے کیا“ بانورہ
مسکرا یا بولا ”حضور ابھی پو دال گا نہیں اور پہلے ہی سے پھل پھول کی بات کرنا تو تو

مناسب نہیں۔“

”کیا مطلب؟“ پال چلایا

”معلوم ہوتا ہے،“ جاہ بولا ”یہ بانورہ پوئٹری کا طالب علم ہے۔“

”مطلب یہ ہے حضور،“ بانورہ چمک کر بولا ”پہلے کام پھر دام۔“

”بھئی واہ،“ جاہ چلایا ”معقول بات ہے جیسے اسکر واسیلہ کی لائے ہو۔“

”یعنی،“ بھانے کچھ کہنے کی کوشش کی

”واہ بھا،“ جاہ نے کہا ”تم بھی حد ہو میاں پہلے بات پر اپنی شیفت کرو پھر مجھنے کی کوشش کرو جو طریقہ ہوتا ہے۔“

”جی میرا مطلب ہے،“ بانورہ بولا اظر شیخ کے مطابق تو مناسب ہے کہ ایک روز کے لئے آپ میرا کام دیکھیں اور پھر اگر آپ کو میرا کام پسند ہو تو مجھ سے تشوہ کی بات کریں۔ اگر میری مانگ آپ کو منظور ہو تو میں کام شروع کر دوں اور نہ ہو تو اللہ حافظ کہہ کر رخصت ہو جاؤ۔

”بات تو معقول ہے،“ پال نے ناک کو گھورتے ہوئے کہا

”کچھ زیادہ ہی معقول ہے،“ جاہ بولا

”اچھا میاں،“ بھانے کہا ”تو کل صحیح آجائنا۔“

”بہت اچھا صاحب،“ بانورہ مسکرا کیا ”اب مجھے اجازت ہے کیا السلام علیکم،“ یہ کہہ کرو وہ رخصت ہو گیا۔

”عجیب نہ کر ہے،“ بھانے کہا

پال ہنسنے لگا ”کہتا ہے ابھی پودہ اگاہیں تو پھل پھول کی بات کیسی،“

”جبھی تو میں نے کہا تھا،“ جاہ بولا ”کہ پوئیٹری کا طالب علم معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کل اس کا نہیں بلکہ، ہمارا امتحان ہو گا اور نتیجے کا اعلان وہ کرے گا۔ بانورہ یا راس کا نام ہو شمند ہونا چاہیے۔“

اگلے روز بانورہ آیا تو وہ بھی جاہ کے کمرے میں اکٹھے ہو گئے
”ہاں بھی بانورہ کیا پکائے گا تو“

”جو آپ چاہیں“ بانورے نے جواب دیا

”بھی مجھے تو بھنا ہوا گوشت پسند ہے“ جاہ نے کہا

”وہ تو جی“ بانورہ بولا ”کھانے میں پسند ہے نا آپ تو پکانے کے لئے پکوار ہے
ہیں“

”ہاں میں“ ایک نہاد جاہ نے بانورے کی طرف دیکھا اور پھر یوں سر ہلانے لگا جیسے
روئی کاباوا ہو۔

”چلو بھائی کریم گوشت بناؤ آج“

”کریم کھا کر تو تھک گئے بھا۔ پالک نہ ہو جائے“ پال نے کہا
”ہو جائے“ بھا بولا

”ایک گزارس میں بھی کروں“ بانورہ نے کہا

”ہاں ہاں“ بھانے کہا

”ویسے پکانے کے لئے جو بھی چاہیں تیار کر دوں لیکن ایسے موخہ پر مناسب رہتا
ہے۔ کوئی ایسی چیز آج نہ نہ نے کے طور پر پکوانی جائے جسے پکانا مشکل ہو“

”اچھا بھائی تو کیا کیا چیز پکانی مشکل ہوتی ہے“ پال نے پوچھا

”ہاں ہاں“ جاہ بولا ”ذرائعے ہاتھوں یہ بھی بتاہی دیجئے“

بانورہ نے کہا ”صاحب گوشت تو سمجھی بنا لیتے ہیں لیکن کام پر کھنا ہو تو وال پکوانیے
اور وہ بھی اس کی۔ جو ایک زائد آنچ سے داخل جاتی ہے اور ایک آنچ کم ہو تو کھڑی
راہتی ہے۔ ویسے جو آپ چاہیں اپنا کیا ہے۔“

”اچھا بھی تو وال ہی پکاؤ“ پال بولا

”ہاں“ بھانے کہا

جب ہندیا میں کھلی ڈالنے کا وقت آیا تو بانورہ نے آکر کہا ”صاحب ایک گجars
ہے ہندیا میں ڈالنے کے لئے کھلی دیا جائے۔“

”واہ میاں“ بھانے جواب دیا ”کھلی وہاں الماری میں پڑا ہے ڈال لو“

”یہ ورنہ بات نہیں صاحب“ بانورہ بولا

”کیوں پال“ نے پوچھا

”تجوہ کھانے میں کھلی ڈال کر اسے مجیدا رہانا تو مشکل نہیں اور جو پر کھنا ہو تو
جروری ہے کہ کم کھلی دیا جائے“

”اے بھائی“ جاہ کتاب رکھتے ہوئے بولا ”بانورے کی بات روکرنے کا خیال
دل سے نکال دو پال کی حساب وانی یہاں کام نہ لے گی۔“

روٹی پکانے سے پہلے بانورہ پھر آگیا بولا ”حضور کھانا تیار ہے تشریف لائیے“
”اچھا بھائی“ بھانے جواب دیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

”میں تو میاں کچھ دیر کے بعد کھاؤں گا“ جاہ نے کہا

”تجوہ گجars ہے کا یے وہ یوں ہونا چاہئے کہ آپ سب باور پی خانے میں
میرے پاس آ جیں اور آپ سب کھانا شروع کریں اور ہر چلکے اتنا ناشروع
کروں“

”ہوں“ جاہ بولا

”دیکھنا تو یہ ہے صاحب کہ میں اس تیزی سے چلکے اتنا سکتا ہوں کیا کہ پانچ
آدمی کھاتے جائیں اور پھلا کم نہ ہو۔ تارنہ ٹوٹے اور پھر چلکے کچھ نہ اتریں پھول کر
اتریں اور کھانے میں اچھے ہوں ہی ہی ہی“ وہ ہنسنے لگا۔

”کہو بھائی اس کے جواب میں کیا کہتے ہو“ جاہ نے پوچھا

”بات تو معقول ہے“ ایلی نے جواب دیا

اچھا بھائی ہم آتے ہیں بھانے کہا

جب بانورہ چلا گیا تو جاہ بولا ”میاں میں محسوس کرتا ہوں جیسے یہ بانورہ ہمیں کھانا پکا کر کھانے کے لئے نہیں آیا بلکہ عقل سلیم سکھانے آیا ہے۔ اونہوں یہ بات نہ شجہے گی، وہ بولا ”یہ ہر وقت کی معقولیت اور بات بات پر طریقے سائیقے، مہنگا سودا ہے دوستو۔ آگے آپ مالک ہیں اپنی تو صرف ایک گوارس ہے۔“

اگلے روز جب ایک نیا نوکر گاما آیا تو اس کی حواس باختہ ٹکل کو دیکھ کر جاہ خوشی سے چلانے لگا ”یہ ہوئی نا بات“ وہ بولا ”یہ تو اپنا بھائی بند معلوم ہوتا ہے ویکھنے سے ہی اسی ہو گئی“، جی گوں روٹی پکالیتا ہوں پوچھنے پر نہ نوکر نے مختصر جواب دیا۔

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے“ جاہ نے قہقهہ لگایا ”آہا گوں روٹی گوں روٹی سے بڑھ کر کیا چیز ہو گی۔ میاں بات ہوئی نہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے لخچ جو ہر میں پہنچ گئی ہو“ اور گامے کو نوکر کھلیا گیا۔

گوریاں

ناؤ گھر میں ایلی کی مصروفیات کریںدھر ہوٹل سے چند اس مختلف نہ تھیں۔ کافی سے واپس آ کر وہ پچکے سے جاہ کی ایک کتاب اٹھا کر نیم چھتی میں بیٹھ کر اس کا مطالعہ کرتا جب تک جاہ کے واپس آنے کا وقت نہ ہو جاتا۔ جاہ کے آنے سے پہلے ہی ایلی وہ کتاب واپس اپنی جگہ پر رکھ دیتا۔ پھر کچھ دری تک جاہ کے پاس بیٹھ کر اس کی ترش مگر بصیرت افروز باتیں سنتا اور پھر شام کے وقت وہ اور جمال دو نوں سیر کو نکل جاتے اور جمال اسے تفصیلًا بتاتا کہ سفید منزل میں ایک کالی کلوٹی مگر جوان دو شیزہ رہتی ہے۔ جس کی آنکھوں میں بلا کی مستی ہے۔ پہلے مکان میں دوا و یہی عمر کی عورتیں ہیں جو سو کنیں معلوم ہوتی ہیں اور سامنے منزل میں دو چٹی سفید گوریاں رہتی ہیں جو اتنی گوری ہیں کہ توبہ ہے اور ہر وقت نہستی ہیں نہ نے ہی جاتی ہیں۔

جمال گوریوں کا مذکورہ کرتے ہوئے قہقهہ لگا کر ہنسا۔ اس کے گالوں پر سرخی چھلکتی آنکھوں میں مستی چھلکتی اور وہ بار بار جوش میں کھجاتا پھر فرط جوش میں جمال ایلی کو

اپنی آغوش میں لے لیتا۔

”یارا میلی“ وہ کہتا ”تم بڑے اچھے ہو کیا جگہ دلوائی ہے مجھے واہ واہ نا“ گھر لا جواب
گھر ہے بس اگر ذرا سا چبوچلا دو بھائی تو اپنی زندگی میں بھی حرکت پیدا ہو جائے
لیکن ایلی“ وہ دونوں ہاتھوں نے ایلی کے شانے پکڑ لیتا اور پھر مست آنکھیں بنانے کر
اس کی طرف دیکھ کر پوچھتا ایلی وہ اتنی گوری کیوں ہیں۔ بتاؤ تا۔ حد ہو گئی یا راتنی سفید
جیسے کھونے کی بنی ہوئی ہوں۔

”مجھے کیا معلوم“ ایلی جواب دیتا
”پھر بھی بتاؤ تو ہیں“
یہ ہوتی ہی ایسی ہے ایلی کہتا ”اگر گوری نہ ہوں تو مرچیلی ہوتی ہیں اور مرچیلی نہ
ہوں تو میٹھی رس بھری“

”ہے نا“ جمال تھہہ مار کر بہستا ”اور وہ زردہ تھی۔ وہ زرد ہو گئی تھی کتنی زرد تھی وہ“
”ہاں شکر کرو گلابی نہ تھی“

”گلابی تو یہ ہیں“ جمال کہتا ”ضرور گلابی ہوں گی۔ جو وور سے خالی سفید و کھو وہ
قریب سے گلابی ہوتی ہے لیکن یا ر“ وہ پھر ایلی کو شانوں سے پکڑ لیتا ”یا روہ اس قدر
نہستی کیوں ہیں۔ دیکھتی ہیں اور نہستی ہیں۔ نہستی ہیں اور دیکھتی ہیں دیکھ دیکھ کر نہستی
ہیں“

”تو کیا تم چاہتے ہو کہ دیکھ کر رو دیں“ ایلی پوچھتا
”ارے نہیں“ جمال رک کر سوچنے لگتا۔

”شکر کر بھائی رو تی نہیں وہ جو رو دیں تو تمہاری زندگی حرام ہو جائے“ ایلی جواب
دیتا

”یارا میلی“ جمال چلاتا ”کوئی ملنے کی صورت بتاؤ پھر چاہئے نہیں یا روئیں“
”کیوں پھر کیا ہو گا“ ایلی اسے چھیڑتا

”پھر“ وہ قہقہہ مار کر بنتا اور سر کھجاتا پھر بہت کچھ ہو جایا کرتا ہے مہنے ہستے دھنٹا وہ خاموش ہو جاتا۔ پھر سمجھدی گی سے کہتا ”یا وقت یہ ہے کہ وہ دور ہیں اور مجھے دور سے پہنچنیں چلتا کہ کون کون سی ہے اور کونسی کون بڑی ہے کون چھوٹی بڑی مشکل ہے۔“

”بڑی چھوٹی ہو یا چھوٹی بڑی کیا فرق پڑتا ہے۔“ ایلی فاسفیان اند از سے بولا

”بڑا فرق پڑتا ہے۔“ جمال کہتا ہے ”چھوٹی چھوٹی ہی ہوتی ہے تمہیں کیا خبر“

”یہ ٹھیک ہے۔“

”نمیں یا رہاں کا ہاتھ جھٹک کر کہتا“ تجھے سب خبر ہے،“
نہ جانے جمال کو یہ خیال کیسے پیدا ہو گیا تھا کہ لڑکیوں کے معاملے میں ایلی ہر راز سے کا حقہ واقف ہے جمال تجھے دل میں بھتا تھا کہ اس معاملے میں ایلی بڑا سینا ہے ایلی بھی اس کی موجودگی میں سیاںوں کا رو یا اختیار کر لیتا اس وقت وہ بھول جاتا کہ شہزاد کے رو برو اس کی اپنی کیا حیثیت ہوتی ہے۔ اسے یہ بھی یاد نہ رہتا کہ وہ بند بیٹھک سے کس شان سے باہر لگا تھا۔

ہر روز شام کے وقت کسی نہ کسی بہانہ جمال سے آلتا۔ اگر ایلی جاہ کے پاس بیٹھا ہوتا تو وہ کوئی بہانہ بناتا ”ایلی اگر فراغت ہو تو مجھے پویسٹری کا خلاصہ تو خریدو“ ”خلاصہ“ جاہ چونک کراس کی طرف دیکھتا اور پھر جمال کے چہرے کا جائزہ لے کر کہتا ”ٹھیک ہے خلاصہ ہاں بھی تو لے دو انہیں خلاصہ۔ خود بھی خلاصہ پڑھ لو تو کیا حرج ہے۔ خلاصے کے بغیر امتحان پاس کرنا اونہوں خلاصے کے بغیر کیا ہوتا ہے جی؟“ جاہ کے انداز میں بلا کی طنز ہوتی۔ لیکن جمال نے اس کی بات کی دھار کو کبھی محسوس نہ کیا تھا۔ ایلی کی طرح وہ بھی جاہ سے ڈرتا تھا۔ جاہ سے بھی ڈرتتے تھے اور بھی اس کی عزت کرتے تھے۔ جاہ کو خود بھی اس بات کا احساس تھا۔ شاید اسی لئے ناوجھر میں اس کی حیثیت لاڈ لے اور بگڑے ہوئے پچ کی سی تھی اور کبھی کبھار تو ایلی کو محسوس ہوتا کہ جاہ صرف اس لئے علم حاصل کر رہا ہے کہ نوقیت حاصل کر کے

دوسروں پر رعب جما سکے۔

لیکن پال کی بات مختلف تھی۔ وہ کبھی جاہ کی بات سن کر اس قدر متأثر نہ ہوا تھا کہ اپنی حیثیت کھو دے۔ وہ مضبوط انفرادیت کا مالک تھا اپنی غلط رائے پر اڑ جانے کا عادی تھا۔ پال کو اپنی قابلیت پر ناز تھا اسے اپنے اصول فرد سے زیادہ پیارے تھے۔ دوسراے کی بات کو روکرنا اس کے باعث میں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ناؤ گھر میں ایلی بجا اور جمال تینوں جاہ اور پال کی بات کی عظمت کو تسلیم کرنے کے لیے ہر وقت کمر بستہ معلوم ہوتا تھے۔ بھا تو محض روا داری کے خیال سے ”ہوں تو یہ بات ہے“ کہہ کر خاموش ہو جاتا۔ جمال طبعی طور پر خاموش آدمی تھا۔ بلکہ وہ ایسی معمولی باتوں کو اہمیت آئی نہ دیتا تھا۔ ایلی جی کہم تو دیتا پہنچ بعده میں اسے فصلہ آتا۔ اس بات پر کڑھتا رہتا کہ لوگ دوسروں پر اپنی بات ٹھونٹنے کے عادی کیوں تھے۔ ایلی کو خود پسند لوگوں سے بعد نفرت تھی۔

بہر حال کسی نہ کسی بہانے جمال اسے وہاں سے نکال کر لے جاتا اور جو نہیں وہ اکیلے ہوتے وہ اپنے مخصوص معصوم انداز میں وہی بات چھیڑ لیتا۔

”یارا میں“، وہ چلاتا۔ ”وہ اتنی شوخ ہیں اتنی غدر ہیں کہ حد ہو گئی۔ اعلانیہ سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں۔ سلامک کرو تو اعلانیہ جواب دیتی ہیں حالانکہ اس وقت اور لوگ بھی موجود ہوتے ہیں۔ حد ہو گئی یا ر آج تو دونوں نے بال کھول رکھے تھے۔ اتنے لمبے بال جیسے کسی بال تیل کا اشتہار ہوں۔ یہاں سے وہاں تک اور پھر اتنے کا لے اتنے کا لے اور ان کالی زلفوں میں اتنے گورے چہرے حد ہو گئی ایلی بالکل جیسے کچی گری کی بنی ہوں۔ یارا میں، وہ اس کے شانے پکڑ کر کہتا ”اب میں کیا کروں؟“ ایلی کو بھی جمال کی یہ باتیں بے حد پسند تھیں۔ سارے ناؤ گھر میں صرف جمال ہی واحد ہستی تھی۔ جس کے روپ و ایلی کی حیثیت پیدا ہو جاتی تھی۔ جمال کے پاس جا کر دفعتاً وہ احمدؑ سے سیانا بن جاتا اور ان پڑھ سے عالم ہو جاتا۔ ایسی صورت میں اسے

جمال کی بات میں کیوں نہ پسند ہوتیں اور جمال کا بار بار کہنا یا را میں تم ہی کچھ کرو گے تو بات بنے گی۔ تمہارے یہ بیل منڈھے نہیں چڑھے گی۔ کچھ کرونا ایسا۔ کچھ ہو جائے، اب تو یہ دوری مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی۔ کیا کروں میں کیا کروں۔

جمال کو یہ معلوم نہیں تھا کہ رات کو جب وہ ایسا کوئی نہیں چھٹتی میں چھوڑ کر اپنے چوبارے میں چڑھ جاتا ہے تو سیر ہیوں میں سے چھن چھنان کی آواز آتی ہے اور پھر چھن سے کوئی ایسا کے رو برو آکھڑی ہوتی ہے اور ایسا ہے جو اس باختہ ہو جاتے ہیں اور وہ حواسِ قیاسِ گم کے مصدق یوں انھوں کھڑا ہو جاتا ہے۔ جیسے دیوی کی آمد پر باندیاں عزت اور احترام سے کھڑی ہو جاتی ہیں اور پھر وہ حسرت بھری نگاہ سے ان کے بالوں کی طرف پڑھتا ہے ویسے جاتا ہے اسے ہمت نہیں پڑتی کہ نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھے جہاں گلبی چاند جملہ کارہا ہوتا ہے۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ بلوری قدموں پر اپنا سر کھر کر رودے۔ آنکھیں ملے اور کہئے ”دیوی میں تمہارے لاکن نہیں ہوں۔ لیکن کیا کروں میں کیا کروں؟“

جمال کو معلوم نہیں تھا کہ گوریوں سے قریب حاصل کرنے کے لئے جس پر اس نے تمام تر امیدیں استوار کر کھلی تھیں۔ اس میں اتنی حرارت نہ تھی اتنی سوجہ بوجہ نہ تھی کہ تخلیے میں بھی قرب حاصل کر سکتا۔ اتنا تخلیے میں وہ اور بھی دور ہو جاتا تھا اور کوششوں اور مدد ایکر کے باوجود گوری کو اپنانہ بنا سکا تھا جو اعلانیہ اس کی ہو چکی تھی۔

جمال کی موجودگی میں ایسا کو بھی یہ تفاصیل بھول جاتی تھیں۔ گھڑی کی جھوٹی عظمت حاصل کرنے کے لئے وہ شہزاد کو بھی بھول جاتا وہ شہزاد جو اس کے لئے زندگی تھی۔ سمجھی کچھ تھی۔ جس کے بغیر اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

جمال کی وہ بات تبلکر کی حیثیت اختیار کرتی گئی اس کا اشتیاق پڑھتا گیا۔ اس کے تھیں اور کھجانا شدت اختیار کرتا چلا گیا۔ وہ گوریاں جو اتنی دور رہتی تھیں اور جن کی حیثیت محض ایک قصہ کہانی کی تھی قریب آتی گئیں اور قریب اور قریب حتیٰ کہ وہ

نیم چھتی اور چوبارے پر مسلط و محیط ہو کر رہ گئیں بن دیکھے بن جانے ایلی ان سے اس حد تک مانوس ہو گیا جیسے وہ بھی ان کے ساتھنا و گھر میں رہتی ہوں۔ مثلاً ایلی کو معلوم تھا کہ ان کی چال کیسی ہے ان کے بال کس طرح گردن پر لٹکتے ہیں ان کی چوٹیاں کیسے بل کھاتی ہیں۔ ان کے دو پہنچے کس رنگ کے ہوتے ہیں اور وہ ہوا میں کس طرح لہراتے ہیں اور ان کی آنکھیں کن کن زاویوں سے دیکھی ہیں۔ ان میں کیسی کیسی چمک لہراتی ہے۔ ان کی ناکیں لکنی لمبی ہیں اور ان کتنے چھوٹے۔ ان کے متعلق کوئی بات بھی تو نہ تھی جو جمال نے تفصیل سے ایلی کو نہ بتائی تھی۔ صرف ایک عقدہ باقی تھا جو جمال علی نے کر رکھا تھا اسے یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ کون کونسی ہے اور اس بارے میں ایلی بھی اس کی مدد و نہ کر سکتا تھا۔

میل کرانی

ایلی تو اس معاملے میں جمال کی مدد نہ کر سکتا تھا لیکن نہ جانے کیوں جمال اس بات پر مصر تھا کہ ایلی کے بغیر اسے گوریوں سے قرب حاصل نہیں ہو سکتا اور وہ اس خلوص اور یقین کے ساتھ بار بار یہ بات دہراتا رہا کہ ایلی کی بے تعلقی کے باوجود اس کے احساسِ متزی کے باوجود ایلی سنجیدگی سے سوچنے لگا کہ کس طریقہ سے وہ جمال کی آرزو پوری کر سکتا ہے۔ کئی ایک روز وہ سوچتا رہا لیکن کوئی بات اس کے ذہن میں نہ آئی۔ آخر ایک روز جب وہ نیم چھتی میں پڑا سلیمانی لوپی کے متعلق سوچ رہا تھا کیونکہ انہیں ایام میں اس نے ایچ جی ویلز کا ناول ”دی ان وزیبل میں“، ختم کیا تھا کہ وقتاً اس نے آنکھ اٹھائی تو کھڑکی میں ارجمند کھڑا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پریم پتھر تھا اور ہونٹوں سے پریم سند لیں گلی ہوئی تھی۔ چند ایک ساعت تو وہ کرشن کنہیا کی طرح مسکاتی آنکھوں سے کھڑا مرلی بجا تارہا پھر مرلی کو ہونٹوں سے الگ کر کے بولا۔

”ارے نام روشن کرو نہ کرو پر نتو اپنے گرو کی لاج تو رکھلو۔ ایک کلی میں کھوجائے

بیٹا تو بھنو رے کا کلیاں نہیں ہوتا دھرم پالن نہیں ہوتا، "روان نہیں ملتا۔ کلی کلی پتھر کلی
اور بیٹا کنہیا کے بروے کا دوار کھٹکھٹاتا ہو تو ارجمند مسکرا یا اور اس نے پتھر والا ہاتھ
آگے بڑھا دیا "پریم پتھر" پریم پتھر سے کواڑ کھل جاتے ہیں۔ مندر میں دیوتا بر اجمان
ہو جاتا ہے اور پتھر پیچانہ کیا مشکل ہے۔ تم نے تو اپنے لرد کو اپمان کر رکھا ہے۔

ایلی اٹھ بیٹھا۔ پریم پتھر وہ سوچنے لگا۔ پھر وہ کھڑکی میں جا کھڑا ہوا اور اس مکان کی
طرف دیکھنے لگا جہاں گوریاں رہتی تھیں۔ اس نے اس مکان کی طرف کئی بار غور سے
دیکھا تھا لیکن اسے وہاں کوئی بھی تو جگہ نظر نہ آئی تھی جس کی رہائی میں انہوں کو دیکھا جا سکتا
تھا۔ اس کی بیرونی دیواریں حصار کی طرح کھڑی تھیں۔ کھڑکیاں بند تھیں۔ وہ
کھڑکیاں ہمیشہ ہی بند رہتی تھیں۔ لیونلہ اس جانب مکان کا پچھواڑا تھا۔ گلی سنان
پری تھی نہ جانے وہ لکنی دریتک وہاں کھڑا سنان گلی کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر مکان کا
عینی دروازہ کھلتے دیکھ کر وہ چونکا۔ نہ جانے کون ہے۔ ایک سیاہ فام اوہیڑ عمر کی
عورت کو باہر نکلتے دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ وہ کوئے مٹکاتی ہوئی ناگھر کی جانب آ
رہی تھی۔ ارے اس کے ہاتھ میں تو جھاڑو تھا۔ مہترانی ہے بڑی مٹک کر چلتی
ہے۔ ہائیں حیرت سے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ مہترانی ناگھر میں داخل ہو چکی
تھی۔ ارے مہترانی اسے یہ بات کیوں نہ سوچی۔

"ہوں" سامنے درخت کے چپوں سے ارجمند جھانکنے لگا "بیٹا یہ تو انگراینڈی کا
پہاڑیں ہے۔ اے مہترانی نہ سمجھوایں۔ بحر میں اس کا نام "میل کرانی" ہے جب
تک اپنی جنم بھومی میں میل کرانی موجود ہے۔ بھنو روں کو غم کس بات کا؟" پھر اس نے
مرلی ہونٹوں سے لگائی اور پریم و دیا میں کھو گیا۔

ایلی جانتا تھا کہ چند ایک منٹ کے بعد مہترانی پھلی منزل میں صفائی کرنے کے
بعد اوپر آئے گی۔ چونکہ بیت الخا اوپر ہی تھا۔ لیکن اس سے بات کرنا۔ ایلی میں اتنی
جرأت نہ تھی اگر اس نے جواب میں اٹھی سی بات کہہ دی اگر اس نے شور مچا دیا تو جاہ

کیا کہے گا بھالا حول پڑھے گا۔ اور پھر اس سے کس انداز سے بات کی جائے افہمیوں
یا ایلی کے بس کاروگ نہ تھا۔ لیکن اسے خیال آیا بات کرنے میں جمال کا تو جواب نہ
تھا خصوصاً اس قسم کی بات۔ اس نے جلدی جلدی سلپر پہنے اور چوبارے کی طرف
بھاگا۔

”میں نے کہا، وہ چلا یا“ وہ آرہی ہے

”آرہی ہے؟“ جمال نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا ”کون آرہی ہے؟“

”بھی وہی ایلی نے کہا“ مہترانی

”مہترانی؟“ جمال نے پوچھا

”ہاں ہاں ہماری مہترانی“

”اچھا“ جمال کی باچھیں کھل گئیں ”یا وہ نوجوان ہے؟“

”ارے نہیں یا ر“ ایلی نے غصے سے کہا

”تو پھر“ جمال نے حیرانی سے پوچھا

”ارے بھائی یہی مہترانی ان کے گھر کام کرتی ہے“

”ان کے گھر؟“ جمال نے حیرت سے ایلی کی طرف دیکھا

”گوریوں کے گھر“ وہ بولا

”اچھا“ جمال نے خوشی سے تالی بھائی ”کیا واقعی؟“

”ہاں ہاں“ ایلی نے کہا

”میں نے تو اسے کبھی دیکھا بھی نہیں“

”تو دیکھ لو نا اور بات بھی کرلو“

”بات؟ کیا بات کروں میں اس سے پوچھوں میں کون کوئی ہے؟“

”تم بھی بے وقوف ہو“ ایلی نے سیانے کا پارٹ ادا کرنا شروع کر دیا

”پہلے اس سے ادھرا دھر کی بات کرو ویسے ہی گپ شپ اور اگر دیکھو کہ بات

چیت کرنے والی ہے تو،” ایلی خاموش ہو گیا
”تو کیا؟“

”تو اسے کہو کہ تمہارا خط پہنچا دے ان تک“

”خط؟“ جمال چلا یا اس کا چہرہ یوں چمکنے لگا۔ جیسے کسی بچے کو نیا کھلونا مل جاتا ہے لیکن ایلی نے سیانوں کی طرح احتیاطی مدیروں کی وضاحت شروع کر دی۔

”لیکن آج ہی بھائڈہ نہ پھوڑ دینا۔ آج تو ٹھنلوں اسے“

عین اس وقت سیر ہیوں میں مہترانی کے پاؤں کی چاپ سنائی دی۔

”اچھا تو میں پاہر کوٹھے پڑ جاتا ہوں تم میں میں بیٹھ رہنا“

”میں بیٹھا رہوں،“ ایلی کا دل ذمہ سب کیا۔ ”میں نہیں میں چلتا ہوں“

”ارے نہیں،“ جمال نے کہا ”مجھے اکیلانہ پھوڑو“

”اوہ ہوں،“ ایلی نے کہا ”ایسی باتیں اکیلے میں کی جاتیں ہیں اگر اسے معلوم ہو گیا کہ اندر کوئی سن رہا ہے تو اس پر لازم ہو جائے گا کہ اپنی پاک بازی کا ڈھونگ رچا بیٹھے،“

”سچ،“ جمال نے کہا ”بات تو ٹھیک ہے“

”ہاں ہاں،“ ایلی بولا یہ کہہ کروہ سیر ہیاں اترنے لگا۔ نیم چھتی کے دروازے کے قریب مہترانی آ رہی تھی۔ ایلی نے اسے دیکھ کر بظاہر آنکھیں جھکالیں اور سنکھیوں سے دیکھنے لگا۔ ادھیز عمر کی عورت ہونے کے باوجود اس کا بانکپن واضح تھا۔ اس میں مر چیلا پن تھا اور زگاہ میں بے باکی کی جھلک تھی۔ گھبرا کروہ نیم چھتی میں داخل ہو گیا۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا نہ جانے کیا ہو گا اگر اس نے جمال کو تھپٹر مار دیا تو اگر جاہ کیا کہے گا۔ جاہ کے ہونٹ تھارت سے مکمل جائیں گے اور پاپ کی ناک سونج کر پکوڑہ ہو جائے گی اور وہ دونوں مل کر کہیں گے ہاں بھی ایلی کا دوست تھانوہ ایسی حرکت کر دی تو کیا تعجب ہے۔

جب مہترانی چلی گئی تو جمال بھاگا بھاگا ایلی کے پاس آیا۔

”یار، وہ بولا“ وہ تو سمجھو پہلے سے ہی گرم ہے۔ محبت کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ تم تو مجھے خواہ خواہ ڈرائے ہے تھے۔“

”کس طرح بات کی تھی تم نے؟“ ایلی پھر سے سینا بن کر بیٹھ گیا۔

”کچھ بھی نہیں میں نے کہا تھا جمدادار ان اگر جو چو بارے کے سامنے کا کوٹھا بھی صاف کر دیا کرو تو کیا حرج ہے۔ تمہارا تو کچھ بگزے گا نہیں اپنی بات بن جائے گی۔“

”اس پر وہ تک کر کھینچ لی۔ دیتے تو کل دو روپے ہیں اور کہتے ہیں سارا گھر صاف کرو۔ واہ جی۔“

”چلو کر دیا کرہ،“ میں نے نہس کر کہا۔

”نه جی،“ وہ بولی ”انتہا سارا کام ہوتا ہے زائد کام کرنے لگیں تو کھائیں کیا۔“

”اچھا،“ میں نے براسامنہ بنالیا ”تو مجھ سے بھی ایک روپیہ لے لیا کرو،“ یہ کہہ کر میں نے ایک روپیہ جیب سے نکال کر دیوار پر رکھ دیا۔ میں نے سوچا جو ہتھی پر رکھا تو بدک نہ جائے۔ اس نے براسامنہ بنالیا اور چو بارے کے سامنے جھاؤ دینے لگی۔

پھر وہ آپ ہی آپ کہنے لگی ”لو یہ تو چو بارہ بھی صاف نہیں کیا کسی نے کبھی۔“

”تو کیا میں خود جھاؤ دو ماکروں،“ میں نے نہس کر پوچھا۔

اس پر ذرا مسکرائی، بولی ”اچھا تو میں کر دیتی ہوں صاف“ اس پر میں نے دہائی مچا دی۔ ”نه نہ بابا،“ میں بولا ”میں تو غریب آدمی ہوں ایک روپیہ اور کہاں سے دوں گا۔“ اس پر وہ بالکل ہی نہ دی، بولی ”نہیں میں اور نہیں مانگتی،“ لیکن میں نے اسے ایک اور روپیہ دے ہی دیا میں نے کہا ”نه بھی تمہارا حق تو میں دے کر رہوں گا اور اور ایلی میں نے دل میں کہا سالی اب تو رام ہو جائے گی نا۔ وہی ہوا وہ نہس نہس کر مجھ سے باقیں کرتی رہی۔ اس کا نام کجری ہے بچہ وچہ کوئی نہیں۔ میں سمجھتا ہوں بڑی گرم ہے۔ ایمان سے اور ہے بھی تو اچھی خاصی، جمال کھجاتے ہوئے بولا۔

”کیا گوریوں کی بات کی“ ایلی نے پوچھا

”خود ہی تو منع کیا تھام نے اور اب خود ہی پوچھتے ہو مجھ سے“

”اچھا کیا تم نے“ ایلی بولا

جمال ہنسنے لگا ”یا میر اخیال نہیں کام بن جائے گا“

وسرے روز ہی جمال ہستا ہوا ایلی کے پاس آیا ”میں نے کہایا ر“ وہ بولا

”مجھے ایک خط لکھ دونا“

”خط“ ایلی نے پوچھا ”کیا خط“

”وہی خط“ جمال نے کہا ”کبھی مان گئی ہے“ وہ ہستے ہوئے بولے

”کبھی؟“

”وہی مہتر انی اس کا نام کبھی مان گیا ہے، میا نام ہے، ہے ہے“

”مان گئی ہے“ ایلی نے وہ رایا

خواہ خواہ کا مشتی

”یہ سب تمہاری وجہ سے ہے“ جمال نے کہا ”اگر تم یہ راستہ نہ سمجھاتے تو مجھے کبھی خیال ہی نہ آتا۔ مجھے معلوم تھام کچھ نہ کچھ کرو گے تمہاری مدد کے بغیر یہ نیل منڈھے نہیں چڑھے گی ایمان سے“ اس نے ایلی کے شانے پکڑ لئے اور فرط محبت سے اس کی طرف دیکھنے لگا اب لکھ دوں ایک خط کل بھیجنے ہے

”میں لکھوں“ ایلی چلایا

”اور کون لکھے گا“

”تم خود لکھوں“

”نہیں یا رہیں انہا پ شتاب لکھ دوں گا۔ پڑھ کروہ کیا کہیں گی“

”میں نے تو کبھی نہیں لکھا محبت کا خط“

”نہیں یا رہا“ جمال اس کی منتیں کرنے لگا ”تم لکھ سکتے ہو۔ ایسی ایسی باتیں لکھو کروہ“

حیرت سے میری طرف دیکھنے لگیں۔“

اس روز سارا دون جمال ایلی کے گلے کا ہار بنا رہا۔ ”یا رکھ دو نا لکھا دو نایا ر،“ ایلی کو سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا لکھے۔ اس نے زندگی میں صرف ایک محبت نامہ لکھا تھا۔ وہ بھی ارجمند کی مدد سے جوان ہبھوں نے صبورہ کے جوتے میں رکھ دیا تھا تو بے کتنا ہنگامہ ہوا تھا۔ جب بھی اس کا خیال آتا تو ایلی کو پسینہ آ جاتا تھا اور وہ خط تھا بھی تو بے حد واہیات۔ اس خط کے خیال سے ایلی کو بے حد شرمندگی محسوس ہوتی تھی۔ نہیں نہیں وہ سوچتا میں نہیں لکھوں گا۔ میں کیوں لکھوں جسے بھی دیکھا سکت نہ ہو کیا اسے محبت نامہ لکھا جا سکتا ہے۔ نہ جانتے وہ کون ہیں یہیں اور پھر کیسی بھی ہوں۔ مجھے ان سے کیا لیما دینا۔ میں خواہ مخواہ میں کیا نہیں ہوں ان کا۔ وہ، وہ، خواہ مخواہ کافی سمجھ رکھا ہے کیا۔ لیکن ایلی کے دل کے کسی عمق ترین کوئے میں یہ آرزو پھیپھی تھی کہ وہ ان پر اسرار گوریوں کو خط لکھے۔ جو اتنی چھپی سفید تھیں جو بنے جاتی تھیں جن میں اس قدر جرات تھی۔ ایسا خط لکھے کہ وہ پاگل ہو کر باہر لکل آئیں۔ گلی کی کھڑکیاں کھول کر ان میں آ کھڑی ہوں اور لیکن اس کے ذہن میں کوئی بات نہ آتی تھی۔

جمال مسلسل اصرار کئے جا رہا تھا۔ ”لکھوں نایا ر،“ ایلی کو لکھنے سے ڈر آتا تھا چونکہ لکھنے کے لئے اس کے ذہن میں کچھ بھی تو نہ تھا۔ اس زمانے میں نے اس کی ایک نظمیں اور غزلیں تو پڑھی تھیں اور کوئی ایک تو اسے حفظ تھیں مثلاً وہ تھی اکثر شب تہائی میں کچھ دری پہلے نیند سے۔ لیکن وہ تو گزری ہوئی دچپی کی یاد تھی۔ پھر وہ نظم تھی ابھی تو میں عشق نہیں نہیں لیکن یہاں تو عشق ہے ہے کی ضرورت تھی۔ پھر وہ نظم تھی ابھی تو میں جوان ہوں یا فرصت کی تمنا میں اور یا وہ خوبصورت نقش مانچے پہ بندی آنکھ میں جاؤ۔

وہ سب موقعہ کی چیزیں نہ تھیں اس روز اسے احساس ہو رہا تھا کہ شاعر کتنی بے موقعہ چیزیں لکھتے ہیں۔ نہیں، اس نے فیصلہ کیا۔ کیوں لکھوں خود ہی لکھے وہ وہ تو ہر

ہفتے اپنی بیوی کو محبت نامہ لکھا کرتا ہے۔

”نمیں نہیں“ جمال کہنے لگا ”بیوی کو خط لکھنا اور ہوتا ہے۔ وہ چیز ہی اور ہے یا رات بھر ایلی سوچتا رہا لیکن اسے کوئی بات نہ سوچی۔ آخر تھک کر اس نے ایک پر زمے پر ایک جملہ اور ایک شعر لکھا اور پھر سو گیا۔

صحح سوریہ ہی جمال نے اسے آ جکایا ”کھلیکار“ وہ بولا ”ہاں“ ایلی نے وہ پر زہ سرہ بانے سے نکال کر اسے دے دیا ”ارے“ جمال چلا کر ”بین اتنا“

و فھٹا سیانا بید اڑھواڑھا اور کیا کیا وہ بھی پہلی مرتبہ تو لمبے قصے نہیں چلتے ”واہ“ جمال نے کہا ”پہلی مرتبہ ہی تو اتر ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے“ ”تم تو پاگل ہو۔ پہلی مرتبہ تو صاف دیا سلائی دکھائی جاتی ہے آگ تو بعد میں لگانی چاہئے تمہیں کیا معلوم“

”اچھا کیا“ جمال کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا ”تم جو کہتے ہو تو ٹھیک ہی ہو گا“

”تم پڑھو تو کہی“ ایلی نے کہا جمال اسے پڑھنے لگا

”گوریو پکھ کہو کچھ سنو یوں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھی ہو واہ“

”ارے“ جمال چلا کر اس میں تو شعر بھی لکھا ہے تم نے

”یہ ہے دامن یہ گریباں آؤ کوئی کام کریں

موسم کامنہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا“

جمال نے کہا ”اس کا مطلب کیا ہوا؟“

”تم چھوڑ و مطلب و طلب کو“ ایلی نے کہا ”تمہیں آم کھانے ہیں پیڑ گنے سے کیا کام“

”اچھا“ وہ جوش میں کھجانے لگا اور پھر بولا ”اچھا کیا میں یہ نقل کر کے بھیج دوں گا۔

تم سچ کہتے ہو پہلے خط میں لمبی بات نہیں ہوئی چاہیے یا راہیں اگر تم نہ ہو تو یہ باتیں مجھے کون بتائے؟” جمال نے فرط محبت اور انبساط سے ایلی کے شانے پکڑ کر اسے جھینجھوڑا۔ اچھا میں اب جا کر لکھتا ہوں۔ ایسا اچھا کاغذ اور لفافہ خرید کر لایا ہوں میں کہ دیکھ کر طبیعت خوش ہو جائے اور پھر سینٹ کی شیشی بھی، معطر کر کے بھیجوں گا۔

”ارے رے رے ایسا نہ کرنا“، ایلی چلا یا

”کیوں؟“ جمال گھبرا گیا

”میرے یار تو پیٹوا کر رہے گا اپنی گوریوں کو“

”کیوں؟“

”ایک تو پر زے پلکھنا معمولی ہے پر زے پر اور وہ کثا ہوانہ ہو بلکہ پھٹا ہوا ہو۔

اور دوسرا لفافے میں نہ ڈالنا“

”وہ کیوں؟“

”بھئی اگر کسی کے ہاتھ بھی لگ جائے تو خط معلوم نہ ہو“

”اچھا“، جمال کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ اور وہ سینٹ اور لفافے

”جب بات چل نکلے گی تب اب کی بارتو پر زہ ہی تھما دو“

”اچھا یا رکھا، کہہ کر جمال چلا گیا۔ لیکن اسے ایلی کی یہ بات اچھی نہ لگی۔“

اگلے روز جمال فاتحانہ انداز سے داخل ہوا اس کے ہاتھ میں ایک رنگیں لفافہ تھا۔

یہ دیکھو، اس نے گابی لفافہ دکھایا۔ جس پر سنہری لکیر لگی ہوئی تھی۔ پھر جمٹ سے چھپا لیا۔ ”دیکھا“، وہ بولا

”ہوں“، ایلی نے بے تعقی سے کہا۔ ”اب تو خوش ہونا“

”اور کیا تم نہیں؟“ اس نے مضطربانہ انداز سے پوچھا

”مجھے اس میں نہ گھیٹو“، ایلی نے کہا

”کیوں؟“

”اونہوں“

”میں نے کہا،“ جمال چمک کر بولا ”وہ دو ہیں اور اگر تم بھی میدان میں آ جاؤ تو اگر چہ میرا دل نہیں چاہتا کہ کسی کو بھی ہاتھ سے جانے دوں ایمان سے کہتا ہوں ایں۔

”نہ جانے کیا ہے مجھے میرا بھی چاہتا ہے کہ دو انوں کے عشق اڑاؤں“

”تو اڑاؤ،“ ایلی نے نہیں کر کہا

”تم نے یہ رات تو نہیں مانا؟“

”نہیں تو،“

”لیکن یا رات ہمارا درمیان نہیں ہونا ضروری ہے“

”وہ تو میں ہوں ہی،“ ایلی نے کہا دیئے

”ہاں ہو تو سہی لیکن اس ہونے اور اس ہونے میں بڑا فرق ہے“

”وہ ہونا مجھ سے نہ ہو سکے گا“

”لیکن کیوں،“ جمال تڑپ کر بولا

”مجھے کوئی وچھپی نہیں،“

”آخر کیوں نہیں؟“

”معلوم نہیں،“ ایلی نے آہ بھر کر ہا۔ اس وقت اس کے سامنے شہزاد کھڑی تھی۔

”عجب آدمی ہوتم بھی“

”جو ہے حاضر ہے کیا کیا جائے“

”یہ دیکھو کیا لکھا ہے انہوں نے یا ربڑی جرات ہے ان میں اور پھر ایں،“ وہ رک

گیا

”ہوں“

”وہ تو بڑی اوپنجی باتیں کرنے والی معلوم پڑتی ہیں۔ اپنے لئے بڑی مشکل ہو

جائے گی“

”تو کیا میں نے کہا تھا کہ اوپری باتیں کرنے والیوں سے عشق لگا لو۔ اب جو لگایا
ہے تو نبھاؤ۔“

”لیکن کط تو تمہیں ہی لکھنا ہو گانا،“

”نه بھی یہ بات مشکل ہے،“ ایلی نے کہا

جمال نے پر اسامنہ بننا کر لفاف میلی کے سامنے رکھ دیا۔ لفاف کے اوپر لکھا تھا۔

شہرے بالوں اور شیریں آنکھوں کے نام۔“

”کیوں بھی شہرے بال،“ ایلی نے جمال سے کہا۔ آنکھوں سے شرارتیں کرتا
ہے اور قلم اٹھانے سے ڈالتا ہے۔“ ایلی نے یہ کہتے ہوئے لفاف میں سے کاغذ لکھا۔

”هم سنتی ہیں اُپ کہیں موسم و الناموز و لہن ہے،“

”ارے،“ ایلی تعجب سے چلا یا بڑا اچست جواب دیا ہے۔

”ہو گا ہمیں تو یارست کر دیا اس جملے نے اب اس کا جواب کون لکھے گا۔ مجھے تو
بکھر میں نہیں آتا کچھ اور تم پلوچ پھر ارے ہو،“ جمال بولا

”ہاں بھی،“ ایلی نے جواب دیا۔“ یہ تو بڑی مشکل پڑ گئی۔ میرا خیال تھا کوئی سیدھی
سادی بات لکھیں گی،“

”تم نے شروع ہی میں بات اٹھی چلائی ہے۔ اب تم ہی سن جاؤ گے تو سن بھلے گی۔
اپنا کام تو بھائی اس وقت شروع ہو گا جب آمنے سامنے کھڑے ہوں گے۔“

”اس کے جواب میں تو عام محبت نامہ نہیں لکھا جا سکتا،“ ایلی نے کہا

”تو بھائی لکھو جو جی میں آئے لکھو،“ جمال بولا

”لیکن مختصر ہی ہو سکتا ہے،“

”مختصر ہی سہی یا ر تم لکھو، بات رک نہ جائے،“

”اچھا،“ ایلی نے کہا۔“ لکھ دوں گا،“

جمال کے چہرے پر بیٹاشت دوڑ گئی

اس کے بعد اس کے معمول ہو گیا۔ ایلی سوچ سوچ کر دو ایک چست اور چمکیلے جملے کر جمال کو دے دیتا۔ جمال رنگیں معطر کاغذ پر انہیں نقل کر دیتا اور پھر کجری کے انتظار میں بیٹھ جاتا جب وہ پھر ڈھلنے لگتی تو جمال چوپا رے سے نکل کر بر ساتی میں جا بیٹھتا چونکہ بر ساتی سے وہ انہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر شام تک وہ ایک دوسرے سے اشارے کرتے رہتے۔ اگلے روز صبح سوریے ہی وہ دونوں جمال اور ایلی بے صبری سے جواب کا انتظار کرتے اور پھر اسے پڑھتے سمجھنے کی کوشش کرتے۔

”ارے یہ تو فارسی کے شعر لکھتی ہیں“ ایلی نے ان کی دوسرے خط پر شور مچا دیا وہ فارسی میں کو راتھا اب بتاؤ وہ بولا ”اب تو کسی مولانا کو ساتھ ملانا پڑے گا ورنہ نہ ہماری سمجھ میں آئے گا جو اب سوچتے ہا۔“

”میں بتاؤں“ جمال کہنے لگا ”ایک لفاظ کیوں نہ خرید لیں“
”تو کیا میں سارا دن معانی دیکھا رہوں گا“

”بھا سے پوچھلیا کرنا اسے کیا معلوم کہ خط میں لکھا آیا ہے شعر“
تیرے خط میں گوریوں نے شہرے بالوں میں شریر آنکھوں تا نک جھانک اور ان اشاروں کے متعلق جو جمال کیا کرتا تھا۔ ایک لظم لکھ بھیجی۔

”ارے“ ایلی چلایا ”یہ تو شاعر بھی ہیں اب بولو“ لیکن اس کے باوجود ایلی کو ان کے خطوط کے جواب لکھنے میں مزاح آنے لگا تھا۔ وہ ہربات میں نکتہ پیدا کرتی تھیں اور ہر لطیف سے لطیف اشارہ کو خوب سمجھتی تھیں۔

”نہیں یا ر“ جمال گھبرا گیا ”تمہارا ان سے تعارف کرائے بغیر کام نہ چلے گا۔ یہ تو اب کرنا ہی ہو گا۔ آج ہی سہی۔“

کال کلوٹا

ایلی نے دو ایک بار تو انکا رکیا۔ پھر خاموش ہو گیا دراصل دل ہی دل میں وہ چاہتا تھا کہ ان کو دیکھے۔ ان کے قریب تر ہو جائے وہ چاہتا تھا کہ جمال زبردست اسے کھینچ

کران کے سامنے لے جائے۔

اس لئے اس روز دوپہر ڈھلنے کے وقت جب جمال ایلی کے انکار کے باوجود اسے کھینچتا ہوا برساتی میں لے گیا تو اس نے سری ضد کرنے کے علاوہ کچھ نہ کیا حتیٰ کہ وہ ان کھڑکیوں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”وہ سامنے مکان کی عقبی دیوار ہے نا“ جمال اسے سمجھاتے لگا ”اس میں اینٹوں کی جالی بنی ہے یہ جالی ان کی شیرہیوں میں ہے جالی کے میں سامنے دروازہ ہے جس کے پرے ان کا کوٹھا ہے دروازہ لٹھا تو جالی میں سے صاف دکھائی دیتا ہے اور اگر بند ہوتا جالی انہی ہو جاتی ہے۔ لو دیکھو“ اس نے ایلی سے کہا ”وہ سامنے کھڑی ہے ایک حرامزادی مارکٹ میں کھڑی ہے۔ یہ می شریز ہیں یہ“ جمال ہنسنے لگا۔

پھر جمال نے عجیب سے اشارے کرنے شروع کر دیئے۔ ایلی کے کندھوں پر بازو رکھ کر اسے اپنے قریب تر کھینچ لیا دوسرا شاروں کی مدد سے گوریوں کو سمجھانے لگا۔ یہ میرا عزیزین ترین دوست ہے۔ اس میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں۔ ایلی کو دھنڈلی دھنڈلی اشکال دکھائی دینے لگی تھیں۔ جیسے فضا میں وہبے سے تیر رہے ہوں۔

”دفعتاً جمال چلایا“ ارے انہوں نے دروازہ بن کر لیا،
ایلی نے دیوار کی جالی کی طرف دیکھا۔ وہاں تو مسلسل دیوار کھڑی تھی ”یہ کیا
حماقت ہے“ جمال چلایا۔

”چھوڑیا“ ایلی بولادہ ہاتھ پھٹرا کر نیم چھتی میں جا بیٹھا
اگلے روز غیر متوقع طور پر کجری گوریوں کا خط لائی حالانکہ اس روز جمال نے خط
بھیجننا تھا لکھا تھا۔

”کل آپ ایک کال کلوٹے کو کھینچ کھینچ کر ہمارے سامنے لارہے تھے۔ یہ کیا
حماقت ہے آپ نے ہمیں سمجھا کیا ہے۔ آئندہ سے ایسی حرکت نہ فرمائیے گا۔“

ایلی خط پڑھ کر قہقہہ مار کر ہنسا ”دیکھا“ وہ غصے میں چلانے لگا ”تم کہتے تھے میں تمہارا تعارف کرا کے رہوں گا ہونہہ ہو گیا نا تعارف“ اس نے جمال کو ڈالنا اور پھر ہٹنے لگا۔ لیکن دو ایک قہقہے لگانے کے بعد وقتاً اس نے محسوس کیا کہ اس کا دل بیٹھ رہا ہے۔ آنکھوں تلے اندر ہیرا چھار بانہ ہے۔

رات کو جب وہ نیم چھتی میں لیٹا ہوا تھا تو سیر ہیوں میں شہزاد کھڑی تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی ”یوں گھری سوچ میں ڈوبنے سے فائدہ، فلکر کرنے پا غم کھانے سے تم گورے تو نہ ہو جاؤ گے۔“

”تمہیں کیا؟“ ایلی نے کھڑکی کی طرف منہ مولڑا لیا۔ لیکن اسے احساس تھا کہ وہ وہیں کھڑی ہے ویسے ہی مسلکر اڑی ہے۔

کھڑکیوں کے عین مقابل میں سے منزلہ بلڈنگ میں گوریاں قہقہے لگا رہی تھیں ”کال کلوٹا“، ایک قہقہہ مار کر پہنسی ”اوہہوں“، دوسری نے بر اسامنہ بنایا ”نہیں چاہئے نہیں چاہئے“

”انہیں کیا معلوم؟“ سیر ہیوں میں شہزاد ابولی ”سنہرے بال شربتی آنکھیں“ سے منزلہ بلڈنگ سے کوئی چلائی ”تم ان کی باتیں نہ سنوایاں“، سیر ہیوں میں کسی نے آہ بھری ”ابھی میلے پر جانے کا چاہے رنگ روپ کا دور ہےنا“

ایلی نے تڑپ کر سیر ہیوں کی طرف دیکھا ”کیا تم رنگ روپ میں مدھوش نہیں ہو۔ کیا تم میلے پر جانے کے لئے بیتاب نہیں ہو۔ بھول گئیں جب گانے کے لئے جاتی تھیں یہ بری دیکھنے کے لئے بلا وہ آیا تھا۔“

”تمہارا غصہ نہیں گیا ابھی“ وہ بولی ”اچھا“ اس نے سر جھکا کر کہا ”آخر آؤ گے ہی نا۔ کب تک بھاگے بھاگے پھرو گے۔ کب تک“ یہ کہہ کروہ چل پڑی۔

ایلی تڑپ کر اٹھ بیٹھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ شہزاد کا پلو کھینچ لے چلا چلا کر کہے ”

نہیں نہیں مجھے ساتھ لے جاؤ۔ شہزاد میں بھاگ بھاگ کر اکتا چکا ہوں۔ بھگوڑے کو
گھر لے چلو،“ مگر وہ جا چکی تھی۔

اگلے روز صبح سوریرے ایلی اپنے سوت کیس میں کپڑے لگا رہا تھا۔ سامانِ اکشنا کر
رہا تھا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بھائے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ کہیں جا رہے
ہوا یا لی؟“ بھانے پوچھا۔

”نہیں تو،“ ایلی چونک کربولا
”اچھا،“ بھانے کہا۔ ”چیزیں جو اس طرح سنجدال رہے تھے میں سمجھا،“ یہ کہہ کر بھا
اوپر چلا گیا۔ دُغتنا ایلی کو خداں آیا جیسے اسے لوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔“ ہاں،“ وہ
بولا میں جاؤں گا۔ میں جاؤں گا۔ مجھے جانا ہی ہوگا۔ وہ میرا انتظار کر رہی ہے۔ وہ
مجھ سے ماہیوں ہو جائے گی تو وہ کیا ہے گی۔ کیا کہے گی وہ نہیں نہیں میں جاؤں گا۔“
کہاں جاؤ گے؟“ جمال نے داخل ہو کر پوچھا۔

”علی پور جاؤں گا،“ ایلی نے جواب دیا
”ارے ارے نہ بھائی،“ جمال چلایا۔ ”تم چلے گئے تو سارا معاملہ چوپٹ ہو جائے
گا،“

کونسا معاملہ؟
”وہی معاملہ اور کون سا بڑا مشکل سے چالو ہوا ہے۔ یارا ب سے آدھے رستے
چھوڑ کرنہ چلے جانا،“

”آدھے رستے کیوں؟“ ایلی نے غصے میں کہا۔ ”اب تو بات چل پڑی ہے۔“
”نہ بھئی،“ جمال نے اسے فرط محبت سے آغوش میں لے لیا۔ ”ابھی تو بات شروع
ہوئی ہے۔“

”تو کیا میں اسے چلانے کا ذمہ دار ہوں؟“
”نہیں بھئی،“ جمال ہنسنے لگا۔ ”ذمہ دار تو نہیں لیکن یا را گر نیا پار لگا دو گے تو یاد کروں

گا ساری عمر بس ایک مرتبہ ملاقات ہو جائے پھر میں سنچال لوں گا۔ پھر چاہے چلے جانا۔“

”نہیں بھئی،“ ایلی چلایا ”جب انہیں خل اندازی ناپسند ہے تو“

”اوہہوں،“ جمال بولا ”انہیں کیا پتہ کہ یہ خل اندازی نہیں وہ تمہاری قدر کیا جائیں میں مجھ سے پوچھو یا راضی قدر و منزلت مجھ سے پوچھا۔“

ایلی خاموش ہو گیا

”نه جانا خدا کے لئے،“ جمال نے اس کی نیتیں شروع کر دیں ”کچھ دن ٹھہر جاوے پھر چلے جانا۔ میں تمہیں نہ رکوں گا،“ سیڑھیوں میں شہزادہ میر بھری نکاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ کھڑی تھی چپ چاپ اس کی نگاہ میں حسرت کی جھلک تھی۔ ہونٹوں میں گویا سکی ولی ہوئی تھی۔

جمال کی نگاہ میں منت تھی عین اس وقت بھا اوپر سے آگیا ”کیا ہو رہا ہے؟“ اس نے سرسری طور پر جمال سے پوچھا

”ایلی گھر جانے کی تیار کر رہا ہے،“ وہ بولا ”میں کہتا ہوں نہ جا،“

بھاہنئے لگا ”مجھے بھی یہی خیال پیدا ہوا تھا میں سمجھا ایلی جا رہا ہے۔ لیکن وہ نہیں جا رہا چاہے پوچھ لو،“

”ارے،“ جمال چلایا ”تم نہیں جا رہے،“

”نہیں،“ ایلی نے کہا

”اچھا یا رہا؟“ جمال نے فرط انگساط سے ایلی کے شانے پر زور سے ہاتھ مارا ”تم تو کہہ رہے تھے جا رہا ہوں،“

”ویسے مذاق میں کہا ہو گا،“ بھا مسکرا یا اور سیڑھیاں اترنے لگا

”تمہارا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا،“ جمال خوشی سے چلانے لگا، ”تم بڑے ہی پیارے

ہو لیکن مجھے شگ کرتے ہو۔ یا بہت شگ کرتے ہو میں پہلے ہی شگ ہوں وہ کھجانے لگا ”تم جلتی پر تیل چھڑک کت گماش دیکھتے ہو ہے نا“ اس نے قہقہہ لگایا ”بڑے تماش بین ہو“

”ارے“ وہ فلتا چلا یا ”بین تو ان کے خط کا جواب دینا ہے“

”تو دو نا“ ایلی نے کہا ”اب میں کال کلوٹے کے بارے میں کیا لکھوں“

”یا ر تم اپنی طرف سے ایک خط کیوں نہیں لکھتے“

”کیا فائدہ“

”بڑا مزہ رہے گا اور پھر تم بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ گے“

”مجھے کوئی دلچسپی نہیں“ ایلی نے کہا ”پھر میں خلیت سے لکھوں“

”برادرانہ طور پر لکھ دو“

”کیوں“ ایلی نے غصے میں کہا جیسے جمال نے اس کی تو ہیں کروی ہو

”میں بھی لکھتا ہوں۔ تمہارے متعلق وضاحت کروں گا۔ لیکن یا ر تم میر الکھا صحیح کرو دینا مجھے نہیں آتا خط لکھنا۔ ٹھیک ٹھاک کرو دینا۔ بے عزتی نہ ہو جائے کہیں“

اگرچہ بظاہر ایلی خط لکھنے پر رضا مند نہ تھا لیکن دل میں شاید اسے بے حد خوشی ہو رہی تھی کہ اپنی طرف سے خط لکھنے کا موقعہ ملا۔ رومانی خط تو وہ لکھنے نہیں سکتا تھا چلو

مزاحیہ ہی سہی۔ کسی نہ کسی طور پر وہ اپنی شخصیت کا اظہار تو کر سکے گا۔ شاید اس کے دل کی گہرائیوں میں کال کلوٹا کا کامنا لگا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ ان پر اس حد تک اثر

انداز ہو کہ اس کا نئے کا گھا و بھر جائے یا شاید یہ کہ انہیں بھی کامنا لگ جائے

بہر حال پہلا خط جو ایلی نے لکھا بے حد مختصر تھا گوری سانورے کنہائی تو ری سدھ برا ای

جمال نے اپنے خط میں ایلی کی عظمت کے گن گائے ہوئے تھے۔ ایلی کے بغیر میں اوہوارا ہوں اس کی مدد کے بغیر میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا کے لیے اس سے ایسا

سلوک نہ کرو۔ وہ میرا دوست ہے بہت گہرا دوست۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایلی کو گوارا کر لیا گیا اور گوارا بھی نہیں بلکہ ہر بار دو چھٹیاں موصول ہوتیں ایک شہر سے بالوں کے نام اور دوسرے میں کال کلوٹ سے مذاق کئے جاتے اور آج کی فلموں کی طرح اس پر یہم کھائیں جو چوباروں اور چھتوں پر کھیلی جا رہی تھی۔ ہیر و کن کے ساتھ ایک مسکرا بھی شامل کر لیا گیا۔ لیکن ادھروہ دونوں گوریاں ہیر و کن ہی رہیں۔ بلکہ جمال اور ایلی پر یہ عقدہ نہ کھلا کہ ان کو خطوط کون لکھتی ہے اور وہ خطوط دونوں کی جانب سے لکھتے جاتے تھے یا ایک کی۔

ابتدہ اتنا ضرور ہوا کہ جمال کو معلوم ہو گیا کہ کون کون سی ہے۔ اسے یہ بھی علم ہو گیا کہ چھوٹی بے حد شریر ہے۔ ان کا پھر اہانتا پھر اہے اور بڑی کی شکل کتابی ہے اور اس کے انداز میں غم کی جھلک ہے۔

کوٹھے پر ان کے روپ و آزادانہ آنے جانے کے باوجود ایلی کے لئے وہ دونوں دھندلے سے دھبوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ کوشش کے باوجود وہ ان کے خدوخال نہ دیکھ سکا تھا نہ ہی اسے معلوم ہوا تھا کہ کون کون سی ہے نہ ہی اسے میں کوئی دیکھ پسی تھی۔ کئی مرتبہ جب ایلی یہ سمجھتا کہ ان میں سے ایک سامنے آئی ہے تو جمال شور مچا دیتا۔

”اوہ ہوں مت دیکھو۔ بہت جاؤ، بہت جاؤ یہ تو کوئی اور ہے۔ شاید ان کا بھائی ہے“ اس پر ایلی گھبرا جاتا اور کئی بار جب وہ سامنے آتیں تو ایلی سمجھتا کہ ان کا بھائی آگیا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے وہ سامنے کھڑا نہ ہوتا تھا تاکہ اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے ان جانے میں کوئی فتنہ نہ کھڑا کر دے اور ویسے بھی اس کی حیثیت کال کلوٹ کے سوا کیا تھی۔

شاید اس ایک لقب یعنی کال کلوٹ کی بنی پر۔ گوریوں کو روزانہ محبت بھرے خطوط لکھنے کے باوجود ان کے نگلین اور رومان بھرے خطوط موصول کرنے کے باوجود وہ

ان سے کوئی خاص لچپی محسوس نہ کر سکا۔

وہ مالم نہیں

پھر دلتا ایک عجیب واقعہ رونما ہوا جس کی وجہ سے ناؤگھر میں ہلچل مج گئی۔ ایک روز جب وہ کالج سے لوٹنے کے بعد کھانا کھانے میں مصروف تھے تو ان کا نوکر گاما اندر داخل ہوا۔ حسب معمول اس کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں جنکھوں میں وہی خصوصی بے بسی تھی۔

”جی جی“، پال بولا یہ تمہیر ہے اور گام میاں بات لرنے کے موڑ میں ہیں، ”جی جی“ گام نے دانت نکالے جیسے پال کی بات پر خوشی کی لہر دوڑ گئی ہو۔ اسے دیکھ کر مجھے ڈکنر زیاد آتا ہے، جانے کہا ”کیوں گام کے کیا بات ہے؟“ بھانے پوچھا ”جی“، گام کی باچھیں از سر نوکھل گئیں

”اتنی جلدی بات بتانے کا قائل نہیں ہے یہ“ بھانے لگا ”سینس پیدا کرنے میں صاحب کمال ہے۔ گویا دور حاضر کا شیکھ پر ہے۔“ ”جی“، گام پھر نہما

”اسے بات بھی کرنے دو“ بھانے کہا ”ہاں گائے“

”جی وہ آئے تھے جی ہاں“

”کون آئے تھے؟“ بھانے پوچھا

”وہ“ اور کون پال بولا

”کون آئے تھے؟“ بھانے اپنا سوال دہرا یا

”جی مالم نہیں کون“، گام نے کہا

”ہے اس کا کوئی جواب“ جاہ ملنے لگا

”کس سے ملنے آئے تھے؟“ بھانے پوچھا

”جی“ گام شرما کربولا ”جی مالم نہیں“

”حد ہو گئی“ بھانے پوچھتے نہ کر سکا

”سیدھی بات تو ہے معلوم نہیں کس سے ملنے آئے تھے۔“

”وہ کہتے تھے“ گامنے کہا ”ہمیں اس سے ملتا ہے“

”کس سے؟“ بھانے پوچھا

”منہرے بالوں سے“ گامنے جواب دیا

”منہرے بالوں سے“ بھانے منہ کا نوالہ اڑ رہا ہر نکل آیا۔

”جی وہ کہتے تھے“ گامنے بات فی وصاحت کی ”جن کے بال منہرے ہیں، ان سے ملتا ہے“ ایلی کامنہ فق ہو گیا۔

”کیوں بھی کس کے بال منہرے ہیں؟“ جاہ نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا ”میرے تو بھی گھرے بھورے ہیں پال کے سیاہ ہیں اور ایلی تمہارے اونھوں تمہارے بھی منہرے نہیں اور وہ جمال“

”ہاں“ بھانے کہا ”اس کے شاید منہرے ہوں“

”وہ آیا نہیں آج“ جاہ نے ایلی سے پوچھا

”مینگ میں بیٹھا تھا بھی آجائے گا“ ایلی نے جواب دیا

”اچھا بھی“ جاہ پھر ملنے لگا ”اگر اس کے منہرے ہوں تو اسے بتا دینا کہ معلوم نہیں اس سے ملنے آئے تھے۔“

”جی وہ پھر آئیں گے“ گام بولا ”کہتے تھے ہم پھر آئیں گے“

اس نے معلوم آنے والے کا واقعہ سن کر جمال بے حد مضطرب ہو گیا۔

”کیا واقعی“ وہ چلایا ”یا رحد ہو گئی مگر وہ تھا کون؟“

”مجھے کیا معلوم،“ ایلی نے کہا

”شاید انہوں نے بھیجا ہو،“ جمال نے کھجاتے ہوئے کہا

”منہرے بالوں سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔“

”لیکن یا ر،“ جمال مفطحانہ انداز سے کہنے لگا۔ یہ لوگ کیا کہیں گے۔ انہیں شک نہ پڑ گیا ہو۔ تمہارے جاہ سے تو ڈرگتا ہے۔ تو کیا وہ پھر آئے گا؟“
”ہاں،“ ایلی نے جواب دیا۔ ”کامنے تو یہی کھاتھا۔“
”تو پھر کیا کریں ایلی؟“ جوش میں جمال اس سے لپٹ گیا۔
اس روز شام کے وقت برصانی میں کھڑے ہو کر جمال نے گوریوں سے پوچھنے کی کوشش کی کہ کیا انہوں نے کسی کو بھیجا تھا۔ لیکن اشارہ کرنے میں جمال اس قدر بھونڈا دکھائی دیتا تھا کہ ہاتھ ہلاتے وقت وہ سرکن کا جو کر معلوم ہوتا۔ وہ دیوانہ وار اشارے کرتا رہا اور ساتھ ہی ایلی سے پوچھتا رہا۔

”اڑے یا ر یہ اشارہ تو بہت مشکل ہوتا ہے۔ کیسے پوچھوں ان سے؟“ ادھر گوریاں اس کے اضطراب پر نہیں جاری تھیں، مسلسل نہیں جاری تھیں۔

مغرب کے وقت نیچے دروازے پر دستک سن کر ایلی چونک کراٹھ بیٹھا۔ کبھی کسی نے ناؤ گھر کے دروازے پر دستک نہ دی تھی۔ دستک نہ دی تھی۔ دستک دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وہاں کیا پورہ دار لوگ بنتے تھے۔ وہ تو ایک لاج تھا۔ جو بھی آتا دستک دینے بغیر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ جاتا۔

ایلی نے کھڑکی سے نیچے جھانکا۔ دروازے پر کوئی کھڑا تھا۔ پھر وہ دیوانہ وار سیڑھیاں اترنے لگا۔ کہیں گمانہ جا پہنچ اور منہری بالوں کا بھیدنہ کھل جائے ایلی جاہ سے ڈرتا تھا۔ اس کی طرز آمیز بات سے ڈرتا تھا۔ جاہ کہے گا ”ہوں تو کوئی پر پریم دویا کھلی پڑی ہے۔ منہرے بال اور گوریوں کا میل ہوتا ہے اور تم ایلی تم مسخرے کا پارٹ ادا کر رہے ہو۔ راز داں مسخرہ بھی وہ کیا رہا ہے۔ بھی ہمیں تو کھیل کھیلانا نہ

آیا بھی۔ بہتیر اسر پڑھا۔ انہوں اپنے دماغ میں یہ خانہ سرے سے خالی ہے۔ یہ تو صبر اور تحمل کا کھیل ہے کنڈی پر کچوالگایا اور ڈوری پھینک کر بیٹھ رہے۔ نہ بھئی اپنے میں اتنا صبر کہاں۔ انہوں“

شام کے وہند کے میں ایلی اچھی طرح سے اجنبی کا جائزہ نے لے سکا جونا و گھر کے دروازے پر کھڑا تھا۔ سر پر لوپی تھی۔ ایک بے ڈھب سا کوٹ پہن رکھا تھا اور ساتھ شلوار۔ انداز سے ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ گھوگیا ہو۔ اس لئے مضطرب ہو“ جی فرمائیے“ ایلی نے کہا۔
اجنبی نے تو پی ماتھے پر سر کالی اور پھر دو اول ہاتھ کو ہوں پر رکھ کر کھڑا ہو گیا اور ایلی کی طرف دیکھے بغیر خالی ہی ہیوں کی طرف چورانے لگا۔
”آپ کس سے ملیں گے؟“ ایلی نے پوچھا

جواب میں وہ دیر تک خاموش رہا پھر دفعتا بولا“ ہم ملیں گے“
”کس سے ملنے گا؟“ ایلی نے دوبارہ پوچھا
”وہ وہ“ گھبرا کر وہ شہلنے لگا“ وہ اسی گھر میں رہتے ہیں“ پھر اس نے ایک نظر چو بارے کی طرف دیکھا اور بولا“ ہاں تینیں تو رہتے ہیں“

”یہاں تو کئی ایک لوگ رہتے ہیں“ ایلی نے کہا
”ہاں ہاں“ وہ بولا“ وہ کئی ایک لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں“
”مگر وہ ہیں کون؟“

”وہ وہ“ اجنبی رک گیا“ اپنے عزیز ہی ہیں قریبی رشتہ ہے“
”کیا رشتہ ہے؟“

”رشتہ؟“ وہ چوڑکا“ کہا جو ہے قریبی رشتہ ہے“ وہ رک گیا۔

”وہ جو سنہرے بالوں والے ہیں وہ“ اس نے چو بارے کی طرف اشارہ کیا
”ہاں ہاں وہی“ دفعتا وہ جوش میں بولا

”دیکھئے“، ایلی نے کہا ”آپ ذرا ادھر آ جائیے۔ دروازہ سے ہٹ کر۔ یہاں انتظار کیجئے میں ابھی بھیجا ہوں انہیں“

”ہاں ہاں بھیج دیجئے۔ کہنا تمہارے رشتہ دار آئے ہیں ملنے کے لئے۔ پیغام دینا ہے ایک“

جمال کو نیچے بھیج کر ایلی خود جاہ کے کمرے کی طرف چل پڑا تاکہ جاہ بھا اور پال کو باتوں میں مصروف کر لے اور وہ نیچے اترنے نہ پائیں۔ لیکن جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو کمرا خالی تھا۔ بھا جاہ اور پال تینوں سینما گئے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر ایلی نے اطمینان کا سائز لیا اور پھر مضمون ہو کر قیمت چھتی میں جا بیٹھا اور جمال کا انتظار کرنے لگا۔

پون گھنٹے کے بعد جمال فاتح کی طرح نیم چھتی میں داخل ہوا۔

”کیوں کیا ہوا کون تھا وہ؟“، ایلی نے چلایا

”ہوں ہوں ہوں“، جمال گنگنایا اور پھر سیر ہیوں میں منہ ڈال کر با آواز بلند چلایا ”بھی بھیں لے آؤ اوپر۔ ہاں ہاں، یہاں نیم چھتی میں“

اتنے سارے پھل

اس پر گاما ایک بڑا سائلو کرا اٹھائے ہوئے داخل ہوا۔

”یہیں رکھ دو“، جمال نے کہا اور پھر بڑا اٹارنے میں اس کی مدد کرنے لگا۔

گامے کے جانے کے بعد ایلی نے پھر سے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

”اس تو کرے میں کیا ہے؟“

”پھل ہیں“، جمال نے کہا

”اتنے سارے پھل،“

”ہاں انہوں نے بھیجے ہیں“، جمال نے ہستے ہوئے کہا

”ہائے،“

جمال قہقہہ مار کر بٹنے لگا ”وہ تو مسخریاں معلوم ہوتی ہیں۔ اتنا بڑا توکرا بھیج دیا جیسے
ہم نے پھلوں کی دکان کھولنی ہو“

”لیکن وہ رومی لوپی والا کیا ہوا“

”وہی تو لایا ہے“ اس نے کہا ”ذرا اٹھیریے میں بھی آیا۔ میں وہاں انتظار کرتا رہا
پھر جب وہ لوٹا تو اس کے ساتھ ایک مزدور نے یہ توکرا اٹھایا ہوا تھا۔“

”ارے اور وہ تھا کون رومی لوپی والا“

جمال نے پیشے ہوئے تالی بجائی ”یا راں کا کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔ عجیب باعثیں کرتا
تھا۔ پہلے تو بہت دیر تک میرے بالوں کی طرف میکھتا رہا“ ”تم ہی ہونا“ وہ بولا
ہمارے رشتہ دار وہ جو چوبیا رے میں رہتا ہے۔ وہ وہاں اور پرستہ رے بالوں والا
عجیب باعثیں کرتا رہا۔ جمال نے قہقہہ مارا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ ہے کون
”لیکن کیا وہ انہیں کی طرف سے آیا تھا۔“

”ہاں ہاں“

”لیکن یا رشا یہ“

”ارے“ جمال چلا یا ”ان کا خط بھی تو لایا تھا۔ میں تو بھول ہی گیا“

”خط“

”ہاں“ یہ کہہ کر جمال نے وہ خط ایلی کے ہاتھ میں تھما دیا۔ رنگیں کاغذ پر دو منحصر
ے فقرے لکھے ہوئے تھے ”آپ بھی کیا کہیں گے کہ اپنے جنم دن پر کچھ کھلایا ہی
نہیں خوب کھائیے۔ بے فکر ہو کر کھائیے۔ ڈاکٹر کی ضرورت پڑے تو وہ بھی بھجوادیں
گے۔“

”ارے“ ایلی بٹنے لگا ”کیا شے ہیں یہ اور کیا دونوں کا جنم دن ایک ہی ہے“

”کچھ پتہ نہیں چلتا یا ر۔ لیکن چھوڑ واس بات کو“ جمال نے توکرے میں ہاتھوں والا

”پہلے پھل تو کھائیں“

”اُرے“، پھل کھاتے ہوئے ایلی چلایا ”یتم نے کیا غصب کر دیا“
”کیا“

”یہ تو کراگا مسے انھوایا تھا“

”ہاں ہاں“

”اور اس وقت وہ رومنی ٹوپی والا وہیں تھا“

”ہاں“

”بس غصب کر دیا“

”کیوں“

”گما نہیں بتاوے گا کہ وہی معلوم نہیں پھل کو تو کرا دے گیا ہے“

اگلے روز جب ایلی کالج سے لوٹا تو وہ سب دلائیں میں بیٹھے پھل کھا رہے تھے اور
پھلوں کا توکرائیں کے سامنے پڑا تھا۔

”اُرے بھئی آؤ جلدی آؤ“ جاہ ایلی کو دیکھ کر کہنے لگا ”تمہیں بھی آج ہی لیٹ آنا
تھا کیا، قسم ہے اگر مجھے اس تو کرے کے وجود کا علم ہوتا تو آج سرے سے کالج جاتا
ہی نہ آ جا آ جا اور روٹی ووٹی کا خیال چھوڑو۔ بس اسی پر گز ار اکرو“

”انتاسارا پھل،“ ایلی نے بناوٹی تعجب سے کہا

”جمال کے چچا معلوم نہیں کو دعا نہیں دو“ جاہ بولا ”اگر وہ گاؤں سے چل کر شہر میں
نہ آتا تو ہم اس کا کیا بگاڑ لیتے۔ کیوں بھئی“ اس نے جملہ لوگوں کو منحاطب ہو کر کہا
”کون چچا“ ایلی نے پوچھا

”یہ تو نہ سمجھتے کو معلوم ہے نہ خود چچا کو اور ہم بیچارے کس شمار میں ہیں۔ میاں ہمیں
پیر گنے سے واسطہ چچا معلوم ہو یا معلوم نہ ہو۔ کوئی بھی ہو، بہر حال یہ حقیقت نہیں
جھٹلائی جاسکتی کہ ہم پھل کھا رہے ہیں۔“

”اور پہیٹ بھر کر کھا رہے ہیں“ پال ہنسا

”ویسے“ بھانے نہ کر کہا ”معاملہ گڑ پر معلوم ہوتا ہے“

”کوئی تعجب نہیں ہوگا“ پال نے کہا ”اگر ابھی ناگھر کا دروازہ بجے اور وہ میاں نا
مالم آ کر کہیں کہ بھی اب جو نہیں یاد آیا تو ہمارے بیتچے کے بال شہرے نہیں بلکہ
کالے ہیں“ ”کچھ پروانہ کرو اگر ایسا ہوا“ جاہ بولا تو ظاہر ہے جمال نہیں بلکہ تم اس
کے بیتچے ہو۔ چونکہ تمہارے بال کالے ہیں۔“

”بھی جمال“ بھانے کہا ”تم نے ان سے پوچھا نہیں کیا کہ وہ پھر کب شہر میں
آئیں گے۔“

”پوچھنے کی کیا بات ہے“ پال بولا ”میں دو مرتبہ تو آئیں گے ہی“

”چونکہ ہر معقول پچاگو ایسا لڑنا چاہئے“ جاہ بخشنے لگا

”پھر وہ سب دیر تک پھل کھانے میں مصروف رہے“

”ایسا معلوم ہوتا ہے“ جاہ نے کہا ”جیسے یہ گھر اپنا گھر نہ ہو“

”کیوں؟“ پال نے پوچھا

”یہاں عجیب سے واقعات ہونے لگے ہیں۔ جو اپنے گھر میں نہیں ہو سکتے۔“

”مثلاً“ بھانے پوچھا

”مثلاً“ جاہ بولا ”یہ پھل ہی لو اتنا پھل ہمارے گھر میں دکھائی دے سکتا ہے کیا
یعنی“ جاہ قہقہہ مار کر بہنے لگا ”گویا پھل نہ ہوا کتا ہیں ہو گئیں“

”بات تو درست ہے“ پال نے کہا

”مثلاً اور“ ایلی نے پوچھا

”وہ میں سوچ رہا تھا آج“ جاہ نے اپنے مخصوص انداز میں کہا ”سوچ رہا تھا کہ یا
تو یہ اپنا گھر نہیں اور یا یہ عورت جو سیڑھیاں اتر رہی ہے وہ عورت نہیں جو پہلے یہی
سیڑھیاں اتر اکرتی تھی۔“

”عورت؟“

”ہاں ہاں بھی“ جاہ بولا ”تم چاہے اسے جمدادار کہہ لو لیکن ہے تو وہ عورت“
”کیا مطلب ہے“ پال نے کہا

”مطلب“ جاہ بولا ”وضاحت سے مجھے خود بھی نہیں معلوم لیکن کچھ ہے ضرور پہلے
وہ آیا کرتی تھی تو جیسے تھکی ہوتی اگتا تھی ہوں اور ماتھے پر یوں کڑی تیوری ہوتی کہ
کچھ کہا تو نتائج کی ذمہ داری تم پر ہو گی“ وہ ہنسنے لگا ”لیکن اب آتی ہے تو اک تازگی
سے ہوتی ہے۔ ویپسی سی یعنی جیسے کہہ رہی ہو جو بھی چاہے کہہ لو جی چاہے“

”مطلب یہ ہوا کہ گھر سے تازگی لاتی ہے“ ایلی نے نکتہ پیدا کیا

”شاید گھر سے ہی لا تی ہو“ جاہ بولا ”لیکن شاید اور پھر سے لا تی ہو“ جاہ ہنسا

”میاں الزام نہیں دھرم رہا ہیں ویسے بات کر رہا ہوں اور پھر مجھے ایلی اور جمال بھی
کچھ کچھ بد لے بد لے وکھانی دیتے ہیں“

”میں“ جمال نہ کر بولا

”تم تو خیر پہلے ہی سے بد لے ہوئے تھے لیکن ایلی“

”یہ کچھ ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے“ ایلی نے جواب دیا ”میں خود محسوس کر رہا ہوں“

”اگرچہ مجھے خود نہیں معلوم کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ دنیا بد لی بد لی سی دکھنے لگی ہے“
ایلی نے بات کی اہمیت کم کرنے کے لئے کہا

”ہاں بھی اس عمر میں ایسے حادثات ہو جاتے ہیں“ جاہ نے کہا
رات کے وقت جب وہ دونوں اکیلے ہوئے تو جمال کہنے لگا ”یار ایلی ان گوریوں
میں اس قدر جرات ہے۔ مجھے تو ڈر آنے لگا ہے۔“

”اس میں ڈر کی کیا بات ہے“ ایلی نے پوچھا

”لیکن یا راس قدر جرات آخر وہ تو کرا گھر منگوایا گیا ہو گا۔ پھر اسے بھجوادینا اور
ایک معمر آدمی کے ہاتھ مجھے تو وہ گھر کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔“

”شاید وہ گھر اکیلی ہوں اس وقت“ ایلی نے کہا

”نہیں تو“، جمال بولا۔ ”گھر میں میں نے ان کی والدہ اور ایک ضعیف عورت کو دیکھا ہے۔“

”اچھا“ ایلی سوچ میں پڑ گیا
”جبھی تو میں سوچتا ہوں اپنے بس کاروگ نہیں معلوم ہوتا اور پھر ان کے خطوط۔

خط کیا لکھتی ہیں پورے جواب مضمون ہوتے ہیں“، جمال بننے کا

”یوٹھیک ہے“ ایلی نے کہا۔ ”لیکن النایہ بات تو تمہارے حق میں ہے۔“

”وہ کیسے“ جمال نے پوچھا۔

”اگر ان میں اک قدر جذبات ہے تو خود ہی ملاقات کی صورت پیدا کریں گی۔“

”اچھا یا رہ؟“، جمال نے تعجب آمیز سرست سے ایلی کے شانے پر ایک بھر پورا تھوڑا“ تو لکھ دو یا راب کی بارخڑ میں لکھ دو۔
”کیا لکھ دوں؟“

”لکھ دو کہ ہم ملنا چاہتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی لکھ دو۔“

گوریوں کا جواب پڑھ کر دونوں بھو نجکے رہ گئے۔ لکھا تھا ”جسے ملاقات کا شوق ہے وہ کرے کوشش اللہ کار ساز ہے۔“ میں تو ملاقات سے کوئی لچکی نہیں۔“

”بھی بڑی تیز ہیں“، جمال تھہہ مار کر ہنسا

ایلی چپ چاپ بیٹھا سوچتا رہا
دیر تک وہ دونوں خاموش رہے۔

باقی ملاقات پر

اس چند منٹ کی خاموشی کے بعد گویا ایک طوفان اللہ آیا۔ ایلی نے اعلان کروایا کہ ہر تال کر دی جائے اور گوریوں کو کوئی خط نہ لکھا جائے جب تک وہ ملاقات پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ اس کا تو بلکہ یہ خیال تھا کہ احتجاج کے تحت جمال کوٹھے پر ان کے روپ و کھڑا ہونا بھی موقوف کر دے۔ جمال کو ایلی کے خیال سے اتفاق نہیں تھا۔

”نہیں یار ایسا نہ کرو“ وہ بار بار چلا رہا تھا ”کہیں اس ضد میں بات ہی نہ ٹوٹ جائے“ جمال اس کی منتین کر رہا تھا ہاتھ جوڑ رہا تھا مگر ایلی اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔ ”یہ میرا فیصلہ ہے اُل فیصلہ“ وہ کہہ رہا تھا ”اگر تمہیں میرا فیصلہ منظور نہیں تو ملاقات کرنے کی میری ذمہ داری نہیں“ وہ جمال پیوں دھنوں جمارا تھا۔ جیسے اس کی ذمہ داری ختم ہو جانے کے بعد گوریوں سے رسم و راہ ختم ہو جانا ایک طے شدہ امر تھا۔ ایلی کے فیصلے کی کئی وجوہات تھیں۔ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد اس معاملے سے کنارہ کش ہو جائے۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ اس پتیوں کے کھیل کو چھوڑ کر اپنی دیوی کی پاس چلا جائے۔ اسے وہ یاد آ رہا تھا جو کرسی سے لٹکا کرتا تھا۔ وہ پیشانی جس کے عین درمیان میں تک لگا ہوا تھا۔ وہ انہیں جو کشتوں کی طرح ڈولتی تھیں۔

چونکہ ایلی جذباتی طور پر اس رومان سے بے تعاق تھا۔ اس لئے وہ اس معاملے میں بڑی سے بڑی جرات کر سکتا تھا اور اب وہ محسوس کرنے لگا تھا کہ محبت میں ڈنی بے تعاقی کا میا میا کی ضامن ہوتی ہے اور انسان جس قدر متاثر ہوتا ہے اسی قدر ناکام رہتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ عورت فطری طور پر اس مرد کی تغیر پر شدت سے آمادہ ہوتی ہے جو ناقابل تغیر نظر آئے اور جو دل و جان سے اس کا ہو چکا ہواں میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں کرتی۔

اسی وجہ سے جمال ہر ایسے اقدام سے ڈرتا تھا چونکہ اسے ان کے قرب کی آرزو تھی۔ وہ ڈرتا تھا کہ گوریاں بگڑنے جائیں۔ اس کے بر عکس چونکہ ایلی آرزو سے مبررا تھا اسے کوئی خدشہ نہ تھا اس لئے وہ چاہتا تھا کہ ان کو مجبور کر دے ان پر چھا جائے۔

اس روزرات گئے وہ دونوں اڑتے جھگڑتے رہے کئی مرتبہ جمال طیش کھا کر اپنے کمرے میں چلا گیا ”اچھا تو میں خود خط لکھوں گا انہیں۔ میں خود چلاؤں گا“ لیکن جلدی ہی وہ واپس آ جاتا اور ایلی کی منتین کرنے لگتا۔

آخر جمال ہار گیا ”اچھا بھئی“ وہ بولا ”جو بھی میں آئے کرو لیکن یار میرے ان کے روپر وجا نے پر کوئی بندش نہ الویہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔“

اس روز کے بعد ایلی ان کے ہر خط کے جواب میں باقی ملاقات پر لکھ بھیج دیتا۔

پہلے تو وہ یہ الفاظ دیکھ کر نہیں انہوں نے مذاق اڑانے کی کوشش کی ”باقی ملاقات پر صاحب کوئی بات کچھ کہیے کچھ سنئے۔ آپ تو گریبوں کی اگلی ہوئی سوئی بن کر رہ گئے“ پھر انہوں نے روٹھ جانے کی دھمکیاں دینا شروع کر دیں لیکن ایلی نے جواب میں اسی جملے کی رٹ اگائے رکھی۔ دھمکیوں سے اکتا پر وہ پھر مذاق اڑانے لگیں۔ ”میاں مخلوق دی چیز کے علاوہ بھئی کوئی بات آتی ہے کیا؟“ اور آخر میں وہ ملاقات پر رضامند ہو گئیں۔

اس روز جمال کی خوشی کی انتہائی تھی۔ وہ بات بات پر قہقہہ لگاتا اور جوش مرد میں دوسروں سے بغل گیر ہوتا اور پیار سے دھول مارتا اور پھر بے اختیار کھجاتا۔ کھجاتا ہی چلا جاتا۔ جمال کے اس جوش انہی سطح کو سب سے پہلے بھانے محسوس کیا کیونکہ بھا اکثر اور پر شیم چھتی اور چوپا بارے میں آیا کرتا تھا۔

”کیوں بھئی کیا بات ہے؟“ بھانے پن کائب درست کرتے ہوئے جمال کی طرف دیکھے بغیر پوچھا ”کیا تمہارے پچا پھر تو نہیں آرہے شہر؟“
”نہیں تو،“ ایلی ہنسا

”میں سمجھا شاید“ بھا مسکراتے ہوئے بولا ”بہر حال کوئی بات ضرور ہے؟“

”گھر سے خط آیا ہے۔“ ایلی نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

لیکن جاہ کے سامنے ایلی کو کوئی بات نہ سوچھی۔ جاہ نے ایک ساعت کے لئے غور سے جمال کی طرف دیکھا اور کہنے لگا ”آج تو جمال یوں مسکراتا ہے جیسے جمدادار مسکراتے ہوئے بیڑھیاں اتر اکرتی ہے۔ اب تو کایا پلٹ گئی ہے اس کی۔“

”ہوں“ جاہ نے کہا ”ان عورتوں کی کایا پلٹ ہوتے درخیں لگتی۔ ایک نگاہ ایک

جملہ کتنی مغرور اور محتاج ہے یہ مخلوق جس کی ایک لگاہ سے کایا پلٹ ہو جاتی ہے۔“
”کیوں ایلی؟“ پال نے چمک کر پوچھا ”تمہاری ہی نظر تو نہیں“
”ہاں“ ایلی ہنسنے لگا ”میری ہی تو ہے“

جاہ نے غور سے ایلی کی طرف دیکھا اور شانے جھٹک کر لکھا ”بہر حال اپنی نہیں اپنی
نظر تو الٹا اثر کرتی ہے، وہ نہسا“ اگر کبھی ڈال دوں ایک نظر، تو بھاڑونہ اٹھائے تو اپنا
ذمہ“

اس روز تو جمال فرط انبساط سے بات بات پر تھقہ لگاتا رہا لیکن اگلے روز صح
سویرے اتنا ملباقہ ہر لانے نیم چھتی میں آگیا۔
”یار ایلی، وہ بولا“ مجھے ساری رات نیند نہیں آئی“
”کیسے آتی؟“ ایلی نے کہا
”مناقنہیں کر رہا“ جمال بخیدگی سے بولا
”میں کب کہتا ہوں کہ“

”یار ساری رات کروٹیں بدلتے بدلتے پہلو چھل گئے ہیں“
”عشق و محبت میں تو ایسا ہوتا ہی ہے“ ایلی نے اسے چھیڑا
”لیکن یار میں سوچتا رہا ہوں“
”کیا؟“

”خالی یہ کہنے سے اچھا ملاقات ہو گی ملاقات تو نہیں ہو جاتی“
”بھئی بور آیا ہے تو چھل بھی لگے گا“ ایلی نے فلسفہ بھگارنا شروع کیا۔
”لیکن ملاقات ہو گی کیسے؟“ جمال نے پوچھا
”جب ہو گی تو کوائف خود بخون معلوم ہو جائیں گے“
”شاید ان کا مطلب ہو کہ ہم انتظام کریں“ جمال نے کہا
”بیوقوف نہیں ہیں وہ“ ایلی بولا

”شاید وہ انتظام نہ کر سکیں“

”جو اتنا بڑا تو کراچیجنے کا انتظام کر سکتی ہیں وہ“ ایلی ہنسنے لگا

”لیکن یار یہ تو کراچیجنے کی بات تو نہیں اور شاید انہوں نے بات ٹالنے کے لئے کہہ دیا ہو“

سارا دن جمال نے اپنے شکوہ اور وہم سے ایلی کا سر کھالیا۔ ہر آدھ گھنٹے کے بعد وہ نیم چھٹتی میں آمروج رو ہوتا۔ یار ایلی اگر انہوں نے دفعتاً بala تا تو ہمیں تیار رہنا چاہئے۔ دیکھو تو یہ رومال کیسا رہے گا۔ یار یہ کچھ اچھا نہیں اور یہ خوبی یہ میں نے بھائیوں کی دکان سے لی تھی۔ لیکن یار بہت ہی مدد ہم ہے“

پھر آہستہ آہستہ جمال بات کا رخ بدلتا ہوا یار ایلی اگر ہم یہاں تیار بیٹھے رہیں اور کوئی ہمیں بلاۓ ہی نہیں تو کیا ہو گا“

جمال کی باتوں سے ایلی چڑھ گیا۔ شام کے وقت جب جمال نے آگر اپنے شکوہ کو ہوا دی تو ایلی نے اس کے شکوہ کو رفع کرنے کے بجائے انہیں تقویت دینے کی کوشش۔

”شاید وہ مذاق کر رہی ہوں“ جمال نے کہا ”ہیں تو بلا کی مسخریاں“

”ہاں یار“ ایلی نے جواب دیا ”میں سمجھتا ہوں مذاق کیا ہے انہوں نے“

”چ؟“ جمال کی آنکھیں ابل آئیں

”ہاں“ ایلی نے کہا

”لیکن تم تو کہتے تھے“

”بکواس کرتا تھا میں“ ایلی نے سنجیدگی سے کہا

”نہیں“ جمال بولا ”اب بکواس کر رہے ہوتم۔ وہ ملیں گی ضرور ملیں گی جو اتنا بڑا تو کراچیجنے ہیں وہ ضرور کوئی انتظام کریں گی۔“

ایلی کی بُنی تکل گئی۔ جمال نے بڑھ کر اسے اپنی آغوش میں لے لیا ”یار تم نے

میری جان نکال لی یہ کہہ کر“

”تو کیا کہوں؟“ ایلی چلایا ”یہ کہوں تو تم بحث کرتے ہو وہ کہوں تو چیختے ہو؟“

”یار میں پاگل ہو رہا ہوں“ جمال نہ سا

”وہ تو ظاہر ہے“ ایلی بھی مشنے لگا

جمال کا یہ پگلا پین تین دن جوں کا توں قائم رہا چوتھے روز گوریوں کا بلا واؤ آگیا اور ایک بار پھر جمال کی باچھیں کھل گئیں۔

سفید منزل

گوریوں کے سہ منزلہ مکان کا نام سفید منزل تھا۔ سفید منزل کا پچھواڑا ناؤ گھر کی جانب تھا ناؤ گھر کے عین مقابل ایک مختصر سی گرفراخ گلی تھی۔ جس کے باہمیں بازو میں چار مکانات اور دوائیں بازو میں صرف سفید منزل تھی جو گلی کے پرے سرے پر واقع تھی۔ اس سے پرے ایک مختصر سے قبرستان سے ملحقہ کچھ خالی زمین تھی اور بازار میں دو ایک منزلہ دکانیں تھیں۔ اسی وجہ سے سفید منزل کا پچھواڑا ناؤ گھر کے چوبارے اور نیم چھتی سے پورے طور پر دکھائی دیتا تھا۔ سفید منزل کے پچھواڑے میں صرف دو کھڑکیاں تھیں۔ پہلی منزل میں کھلتی تھیں باقی دونوں منزلوں میں ان اینٹوں کے سوراخوں کے سوا جو سفید منزل کی سیڑھیوں میں بنے ہوئے تھے۔ کوئی کھڑکی یا روشن داں نہ تھا۔ گوریوں نے جمال کو ان دونوں میں سے ایک کھڑکی میں آنے کی دعوت دی تھی۔ یہ کھڑکی گلی کے عین قریب تھی۔ انہوں نے وضاحت سے لکھا تھا کہ مغرب کے وقت آپ اس کھڑکی کی طرف دیکھتے رہیں۔ جب کھڑکی میں روشنی دکھائی دے تو گلی سے ہوتے وہی کھڑکی تک پہنچ جائیں۔ لیکن آپ کی آمد پر کھڑکی کی روشنی بجھ جائے گی۔

اس روز سارا دن جمال تیاری میں مصروف رہا اس نے دو ایک ریشمیں رومال خریدے دو ایک عطر کی شیشیاں حاصل کیں پھر وہ اپنے لباس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

بار بار ایک جوڑا کالتا پھر اسے رد کر دیتا اور دوسرا انکال کر بیٹھ جاتا شام کے قریب وہ بن ٹھن کر ایلی کے پاس آ بیٹھا ”یار ایلی“، وہ کہنے لگا ”کوئی مجھے وہاں کھڑا دیکھنے لے۔ تم چوکس رہنا اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو میری امداد کو آنا کہیں میں اکیلا ہی نہ پڑ جاؤ“

عین مغرب کی نماز کے وقت کھڑکی میں بجلی سے چھکتی ”ارے“ ایلی چلایا ”دیکھا“ ”ہاں“ جمال نے کہا ”عجیب ہی روشنی تھی۔ چکا چوند کر دینے والی روشنی۔ اچھاتو میں جاتا ہوں۔“ ”یچے والوں سے خبردار رہنا“ ”ایلی بولا“ اگر انہوں نے دیکھ لیا تھے تو خیر نہ ہو گی جمال نے مسکراتے گئی کوشش کی لیکن اس کے چہرے پر فکر اور پریشانی کے آثار تھے جیسے وہ گوریوں سے ملنے بھیں بلکہ دیوار پر چڑھنے کے لئے جارہا ہو۔

جمال کے جانے کے بعد فوراً ہی سیڑھیوں میں شہزادہ کھڑی ہوئی۔ اس کا چہرہ استا ہوا تھا بال کھلے تھے ایلی اسے دیکھ کر چونکا۔ وہ واقعی شہزادہ کو بھولا ہوا تھا۔

”یہ کیا حال بنایا ہے“ ایلی نے پوچھا
”دیکھو“ وہ بولی اس کی آنکھ سے ایک آنسو ڈھلک کر گال پر بہہ گیا۔
ایلی کے دل پر ٹھیس گلی۔ لیکن وہ چپ چاپ بیٹھا رہا۔

” وعدہ تو پورا ہو گیا“ وہ بولی
” وعدہ؟“

” جو تم نے کیا تھا۔ اب تو ملاقات ہو گی نا“ یہ کہہ کر وہ مڑی اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

” شہزادہ شہزادہ“ ایلی تڑپ کر اٹھا لیکن وہ جا چکی تھی۔

ہاں وہ اپنے آپ سے کہنے لگا اب تو ملاقات ہو گئی۔ وعدہ پورا ہو گیا۔ چلو جان چھٹی، مجھے کیا لیما دینا ہے۔ خواہ مخواہ مجھے تو کوئی دچپی نہیں۔ اب میں علی پور جا سکتا

ہوں۔ وہ اٹھ بیٹھا سوت کیس سے نامم ٹیبل نکالا ”ارے“ وہ چلایا ”نوبجے بھی تو جاتی ہے ایک گاڑی“ اس وقت سات بجے تھے۔ ایلی نے جلدی میں سوت کیس میں چیزیں رکھیں۔ پھر ایک رقعہ جمال کے نام لکھا ”میں علی پور جا رہا ہوں۔ ملاقات مبارک ہو“ یہ رقعہ چو بارے میں رکھ کر ایلی نے سوت کیس اٹھایا اور نیچے اتر گیا۔

بے معنی بے مصرف

شیشن کی طرف جاتے ہوئے اس کے چاروں طرف دھندے دھندے نقوش خلا میں تیر رہے تھے۔ جیسے اس آسمان پر بادل تیر رہے ہوں گردو پیش ان دھندے دھبؤں سے بھرا ہوا تھا۔ بے معنی بے مصرف دھبے جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو گردو پیش کی ہر چیز مفہوم سے خالی تھی وہ خود مجھوں کر رہا تھا۔ جیسے کھو گیا ہوا اور اپنے آپ کو ڈھونڈنے کے لئے سرگردان ہو۔

پھر وہ ریلوے شیشن میں نہ جانے کہاں سے کہاں جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں علی پور کا لکٹ تھا مگر وہ سمجھ رہا تھا۔ جیسے علی پور کروڑوں میل دور آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں سے دور ثریا کی دو حصیا سفیدی سے دور۔

”اے ایلی،“

اپنا نام سن کر وہ چونکا اور ادھرا دھردیکھنے لگا۔ ایک بڑا سادھہ تیرتا ہوا اس کے قریب آیا۔ ”اے ایلی تم ہو“ اس نے ایک جانی پیچانی آواز سنی۔ پھر اس میلے سے دھبے نے واضح شکل اختیار کر لی۔ اپنے روپ و پیچا عماد کو دیکھ کر وہ ٹھنڈھ کا ”آپ ہیں چچا“ وہ بولا

”میں نے اتنی آوازیں دیں“ چچا نے کہا ”لیکن تم تو قدرے اپنے آپ میں مگن تھے۔“

”میں میں“ ایلی گھبرا گیا ”دراصل میں جلدی میں تھا مجھے گاڑی میں سوار ہونا تھا“

”گاڑی میں“ چچا عماد نے دہرایا

”علی پور جاہوں میں“ ایلی نے جواب دیا
”اوہ“ پچاپوں لے ”خیر تو ہے“

”ایک ضروری کام ہے“ ایلی نے کہا

”اچھا“ پچا عمار نے کہا ”میں تو اسی گاڑی سے آیا ہوں - علی پور سے“
اسی گاڑی سے ”ایلی نے پوچھا“

”ہاں ہاں“

” محلے کا کیا حال ہے پچا؟“ ایلی نے پوچھا

”وریان پڑا ہے، پچا بولنے“ شادیوں کے بعد صب لوگ چلے گئے اور محلہ سنان
ہو گیا۔“

”اوہ“ ایلی بولا

”اڈھر علی احمد کا گھر ویران پڑا ہے۔ ادھر تیری ماں اور بہن ابھی کامل سے نہیں
آئیں پھر شریف بیوی بچوں کو ساتھ لے گیا ہے۔ اب کی بار“

ایلی کا دل دھک سے رہ گیا۔ لیکن وہ مصلحت کی وجہ سے خاموش رہا۔

”شریف آیا تھا۔ اس کے گھروالی کہتی تھی۔ میں ساتھ نہیں جاؤں گی مگر اسے
کھانے کی تکلیف تھی۔ اس نے منیں نہیں کر کے وہ بیوی بچوں کو ساتھ لے گیا۔“

ابھی وہ پل پر کھڑے بات کر رہے تھے کہ نیچے گاڑی کی کوک سنائی دی ”ارے“
پچاپوں لے ”تمہاری تو گاڑی چھوٹ جائے گی“

”اچھا اچھا“ وہ بولا ”تو پھر ملوں گا“ یہ کہہ کر ایلی بھاگا

پل سے نیچے اترتے ہی جب وہ پلیٹ فارم کی طرف مڑا تو اس کے روپر و نیشن کی
گھڑی تھی ”ارے سوا آٹھ“ وہ رک گیا۔ ابھی تو اپن گھنٹہ باقی ہے۔ وہ ایک خالی بیٹھ
پر بیٹھ گیا۔ سامنے گاڑی میں لوگ اور سامان گذہ ہو رہے تھے۔ قلی بھاگ رہے
تھے۔ باہو سلو مارچ کر رہے تھے۔ دریتک وہ وہاں اس خیال میں بیٹھا رہا کہ اسے علی

پور جانا ہے۔ چچا کی بات اس کے ذہن سے یوں نکل چکی تھی۔ جیسے کسی نے کہی ہی نہ ہو۔ وقت رینگ رہا تھا۔ گھری کی سویاں رکی ہوئی تھیں۔ وہ یہ بھول چکا تھا کہ ناؤ گھر سے بھاگ کر آیا ہے۔ کہ جمال قبرستان کے عقب میں گور یوں کی کھڑکی کے سامنے کھڑا شدت سے کھجارت ہاں ہے۔ وہ یہ بھول چکا تھا کہ وہ کھو گیا ہے اور اپنے آپ کو تلاش کرنے کے لئے علی پور جا رہا ہے۔ وہ علی پور جا رہا ہے وہ علی پور جہاں شہزادہ تھی۔ جس کا بازو کری سے یونچے لکتا ہے آنکھیں ڈلوتی ہیں اور ماتھے کی بندی گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی ہے۔

ایلی نے سر اٹھایا۔ سامنے دیوار پر سامن بورڈ لگا ہوا تھا۔ ”شہزادہ“ ارے وہ چوکا۔ ”شہزادہ“ محلہ ویران پڑا ہے۔ شریف بیوی بچے لے کر چلا گیا ہے۔ چچا عمار چلانے لگا۔ ایلی یوں ترپ کر انہوں بیٹھا جیسے کسی نے اسے تھپٹ مار دیا ہو۔ شہزاد پلی گئی شہزادی گئی۔ انہیں نکوک ماری۔ محلہ ویران پڑا ہے ویران پڑا ہے۔ ویران پڑا ہے، گاؤں چلنے لگی، ایلی نے ان جانے میں سوت کیس اٹھالیا اور نہ جانے کس طرف چل دیا۔

کچھ دیر کے بعد اسے ہوش آیا تو وہ ٹی شال پر کھڑا چائے لی رہا تھا۔

سٹیشن کے باہر پہنچ کروہ بنگ آفس کے سامنے رک گیا۔ ”ایک نکٹ علی پور“، ایک شخص چلا رہا تھا۔ ”ایک نکٹ علی پور“، ایلی نے اپنی مٹھی کھوی۔ نکٹ پر حسرت بھری نظر ڈالی پھر اس نے چپکے سے نکٹ اس آدمی کی مٹھی میں تھما دی اور باہر نکل گیا۔

تالگوں کے اڑے کے قریب وہ سٹیشن کے چھوٹے سے باعثے میں پہنچ کر بیٹھ گیا۔ اردو گرد طرف اندر ہیرا چھایا ہوا تھا۔ جس میں بتیاں ٹمٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ قریب ہی دو اوونچے لمبے درخت اوس کھڑے تھے۔ سامنے ایک ویران مسجد کے مینار گویا محویرت کھڑے تھے۔ دور کوئی چکی ہونگ رہی تھی۔

دیر تک وہ وہیں بیٹھا رہا۔ آہستہ آہستہ سڑک ویران ہو گئی۔ دو کافیں بند ہو گئیں۔

سینیشن بھیڑ سے خالی ہو گیا۔ کتنے بھجو نکلنے لگے۔

”بابو جی چلو گے؟“ ایک تانگے والا اس کے قریب آ کر کھنہ لگا ”کہاں جاؤ گے بابو جی؟“ وہ چونکا ”کہاں جاؤ گے بابو جی؟“ کتارور ہاتھا۔ فقط اسے خیال آیا کہ اسے جانا ہے۔ کہیں نہ کہیں جانا ہی ہوگا۔

”ہاں“ اس نے تانگے والے سے کہا تانگے والے نے پڑھ کر اس کا سوت کیس اٹھایا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے پل پڑا۔

ملاقاتیں

اگلے روز جب ایلی بیدار ہوا تو جمال اس کے سر ہانے بیٹھا تھا۔

”مارے یا تم نے حد کرو دی؟“ وہ چلا رہا تھا ”تم کہاں چلے گئے تھے۔ شکر ہے تم علی اپور نہیں گئے یا رمحے منجد حار میں چھوڑ کر تو نہ جاؤ“ وہ چلانے جا رہا تھا ”تم بولتے کیوں نہیں۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟“

”جمال مسلسل طور پر چلا رہا تھا لیکن ایلی خاموش تھا۔ ایلی محسوس کر رہا تھا جیسے اسے سبھری بال اور گوریوں سے کوئی تعلق نہ ہو۔ جیسے زندگی میں کوئی دلچسپی باقی نہ رہی ہو۔ اس کے روپ و آصف کھڑا مسکرا رہا تھا“ آ جاؤ آ جاؤ ایلی“ وہ اسے اپنے مخصوص انداز میں بلارہا تھا۔“

اس روز کی مرتبہ جمال کے پاس آیا۔ کئی مرتبہ جمال نے کوشش کی کہا ایلی اس سے پوچھئے کہ ملاقات کیسی رہی۔ لیکن ایلی نے ہر بار اسے یہ کہہ کر ٹال دیا ”یار میری طبیعت اچھی نہیں“ لیکن رات کے وقت جب ایلی چارپائی پر لیٹا ہوا تھا تو جمال نے آ کر خود بخوبی دقصہ چھیڑ دیا۔

”یار ایسی ملاقات کا کیا فائدہ۔ وہ سلاخ دار کھڑکی کے اندر رہیں اور میں باہر اور پھر ہر آہٹ پر یہ خطرہ کہ کوئی دلکھنے لے پوچھنہ بیٹھے کہ میاں یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔ ادھروہ اندر ہیرے میں کھڑی تھیں۔ اندر بتی بھی نہیں تھی۔ لگپ پ اندر ہیرا کچھ

دکھائی نہیں دیتا تھا۔ لیکن یاران کی آواز یہ اتنی پیاری ہیں اور ان کی باتیں اتنی رنگیں ہیں کہ میں تمہیں کیا بتاؤں۔ بڑی تیز ہیں وہ اور بڑی مدد اور یار انہوں نے مجھے سُکریٹ پلانے پان کھلانے میں نے بہتیری کوشش کی کہ سُکریٹ دیتے وقت ہاتھ سینخوں سے باہر نکالیں۔ لیکن وہ بڑی چالک ہیں فوراً بھانپ لیتیں اور قہقہہ مار کر ہستیں ”ہم سے چالا کی نہیں چلے گی صاحب“ وہ کہنے لگا، وہ مسلسل باتیں کئے جا رہی تھیں۔ اور میں حیران کھڑا تھا۔ بت بنا کھڑا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کہوں اور وہ کہہ رہی تھیں آپ گونگے ہیں یا بات سمجھے کوئی یوں تصویر بن کر کھڑے رہنے سے فائدہ۔ ہاں یار جمال پلانے لگا انہوں نے اسی بلند محض سے کہا ہاں صاحب تو وہ باتی ملاقات پر جو لکھتے تھے آپ باز بار اب بتائیے ناوجہ باتی کیا ہے اب کیا ہو گیا آپ کو۔“

چار روز بعد پھر بلاوا آیا اور جمال نئی امید میں لے کر نئے جوش اور نئی تیاریوں کے بعد کھڑکی پر جا کھڑا ہوا۔

جب وہ واپس آیا تو اس کے شانے اندر وہنسے ہوئے تھے۔ گردن لٹکی ہوئی تھی۔ اس روز وہ چپ چاپ آ کر بیٹھ گیا اور گہری فکر میں کھو گیا۔ ”یار وہ طعنے دینی ہیں“ وہ کچھ دیر کے بعد بولا۔ ”کہتی ہیں خطوں میں تو بڑی باتیں بگھارتے ہیں آپ بڑے نکتے پیدا کرتے ہیں لیکن سامنے آ کر کیا ہو جاتا ہے منہ سے بات نہیں لٹکتی“ ”اویار“ کچھ دیر کے بعد وہ پھر جوش میں کہنے لگا۔ ”اب تو سارا راز فاش ہو گیا۔“

اس سے تو ہتر تھا کہ ملاقات ہی نہ ہوتی۔“

ایلی خاموش بیٹھا رہا

چار روز کے بعد جب پھر بلاوا آیا تو جمال خوش ہونے کی بجائے بر اسمانہ بنا کر کہنے لگا ”میں نہیں جاؤں گا جانے کا کیا فائدہ البتہ تم ساتھ چلو تو ٹھیک ہے چلو گے۔“ ”اوہوں“ ایلی نے جواب دیا ”میرا وہاں کیا کام اور پھر جس کو بلا یا جاتا ہے وہی

جاتا ہے نا”

”لیکن میں ان سے کہدوں گا کہ میں اسے زبردستی لایا ہوں“ جمال نے کہا

”اگر وہ پوچھیں کہ زبردستی لانے کا مطلب“ ایلی نے پوچھا

”کہدوں گا باقی کرنے کے لئے“

ایلی کی ہنسی تکلیفی ”وہ بھی واہ“ وہ بولا ”خط میں رکھوں باقی میں کروں پھر تم کیا کرو گے“

”ہاں یار بات تو درست ہے“

”میں بتاؤں“ ایلی بولا ”تم اپنے دل میں کھو گئے ہیں“

”بتاؤ“

”تمہارا مطلب ہے کہ سودا خرید کر ہندیا پکا کر برلن میں ڈال کر میں تمہارے سامنے رکھوں اور پھر تم اسے کھاؤ“

جمال نے قہقہہ مار کر کھانا شروع کر دیا ”یار بات تو کچھ ایسی ہے“

ایلی ”فعلاً سمجھیدہ ہو گیا۔“ دیکھو جمال اس کھیل میں سودا لانے اور ہندیا پکانے کی ہی دلچسپی ہوتی ہے کہا نا انہم نہیں ہوتا“

”لیکن یاڑ، جمال بولا“ میں کیا کروں میرا دل جو چاہتا ہے“

اس وقت ایک ساعت کے لئے ایلی نے جمال سے نفرت کا جذبہ محسوس کیا۔ لیکن خاموش رہا شام کے وقت جب کھڑکی میں چمکدار روشنی نظر آئی تو ایلی نے زبردستی جمال کو اٹھایا اور پھر دھکیل کر نیچے لے گیا تاکہ ان سے ملے نیچے جا کر جمال نے ایلی کی منتین شروع کر دیں۔

”اب آ بھی جاؤ یار دس قدم تو ہے یہاں سے تیرا کیا بگڑ جائے گا۔ اپنی بات بن جائے گی“ جمال کو ابھی تک احساس نہیں ہوا تھا کہ ایلی کو اپنے معاملے میں ڈال کر وہ بات بگاڑ رہا ہے۔ لیکن ایلی کو پورے طور پر احساس ہو چکا تھا کہ جمال بات بنانے کا

خواہ شمند نہیں وہ صرف ملأپ کا متمنی ہے۔ خصوصی ملأپ ایسا ملأپ جس میں لوہے کی سلائیس حاگل نہ ہوں۔ اسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ گوریاں اس کی اس خواہش سے کما حق واقف ہو چکی ہیں۔

اس کے باوجود نہ جانے کیوں ایلی نے جمال کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اس روزان کی ملاقات کافی مختصر رہی۔ واپس آگئے تو جمال نے کوئی بات کی اور نہ ہی خوشی یا تعجب کا ظہار کیا۔

اگلے روز گوریوں کا جو خط موصول ہوا وہ سارا کال کلوئے کے نام تھا۔ جس میں اسے بار بار تاکید کی تھی کہ ان سے ملنے کے لئے شہری بالوں کے ہمراہ آئے اور اس سے پہلے وہ کیوں نہ آیا تھا اور کال کلوٹا ہونے پر جتنا کیوں ہے۔ منہ کیوں چھپا تا پھرتا ہے۔ روتا کیوں ہے اور نہیں روتا تو شکل ایسی کیوں ہے۔

اس خط پر ایلی حیران ہوا اتنا لمبا چوڑا خط اسے کبھی موصول نہ ہوا تھا اور پھر سارا کا سارا اس کے نام اس سے پہلے تو کبھی کبھار اس کا نام کا رقعہ ملفوف ہوتا تھا اور اس رقعے کی حیثیت غمی ہوتی تھی۔ حیرت کی بات تھی۔

ایلی سارا دن اس بارے میں سوچتا رہا پھر اسے فرائیں سے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ جمال کے کہنے پر ہوا ہے۔ پچھلی ملاقات میں اس نے اس کے سوا کوئی اور بات ہی نہ کی تھی۔

شام کے وقت جمال اس کے پاس آبیٹھا اور سفید منزل کی طرف منتظر نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ مغرب کے وقت کھڑکی میں تیز روشنی دیکھ کر وہ اچھلا۔

”لووہ بلارہی ہیں“، اس نے ایلی سیت کہا
”ابھی تو تم کل ہی مل کر آئے ہو“، ایلی نے کہا اور آج کے خط میں تو اس ملاقات کا مذکورہ نہ تھا۔

”انہوں نے زبانی بتایا تھا مجھے“، جمال بولا ”کہ شام کو اگر روشنی جلتے تو آ جانا ورنہ

نہیں، ”پھر وہ ایلی کی نتیجی کرنے لگا۔

ایلی حقیقتاً ہاں جانا نہیں چاہتا تھا غالباً وہ ”کال کلوئے“ نے اس کی انا کو صدمہ پہنچایا تھا۔ اس واسطے ایلی ان میں کوئی دلچسپی محسوس نہ کرتا تھا۔ یا شاید اس کی کوئی اور وجہ ہو بہر حال اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ جمال اس کے بغیر اکیل ہی چلا جائے لیکن جمال گویا اس ساتھ بے کر جانے کی قسم کھائے ہوئے تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایلی کو جمال کے ساتھ جانا پڑا۔

اندر کا سیدریشن

گلی سنان تھی۔ قبرستان میں پیچھے کھڑکی کے پاس کھڑے ہونا خصوصی طور پر خطرناک نہ تھا۔ اول تو اس گلی میں آمد و رفت بہت کم تھی دوسرے گلی میں گز رتا ہوا شخص اگر ادھر دیکھتا بھی تو اسے اندر ہیرے کی وجہ سے وضاحت سے کچھ دکھائی نہ دیتا۔

وہ دونوں چپ چاپ قبرستان میں داخل ہو گئے اور پھر کھڑکی کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ ایلی نے دو ایک مرتبہ کھڑکی کی طرف دیکھا لیکن وہاں گھپ اندر ہیرا تھا۔ جگہ سنان معلوم ہوتی تھی۔ اس نے سمجھا بھی گوریاں نہیں آئیں اس لئے وہ جمال سے کہنے لگا۔

”میں نہیں سمجھتا آخر مجھے یہاں لانے سے کیا فائدہ“

”حرج بھی کیا ہے؟“ جمال نے کہا

”واہ،“ ایلی چمک کر بولا ”تم تو بھلا عشق لڑاؤ گے۔ میں کیا کروں گا،“

”آپ دیکھئے عشق کس طرح سے لڑایا جاتا ہے،“ کھڑکی سے آواز آئی

”ارے،“ ایلی چونکا ”یہ تو اندر ہی ہیں،“

اندر سے کسی کے ہٹنے کی آواز آئی

”یہ تو بڑا بے انصافی ہے،“ ایلی نے کہا ”کہ آپ تو سیمانی ٹوپی پہنے رہیں اور ہم

دونوں سر سے پاؤں تک بیوقوف بنے کھڑے رہیں،“

”تو کیا آپ یہاں انصاف کے لئے آئے ہیں یہ کیا جہا نگیر کا مقبرہ ہے،“ آواز
آلی

”نور جہاں بھی تو دکھانی نہیں دیتی،“ ایلی نے کہا

”آپ ملنے آئے ہیں یا اڑنے کے لئے،“ اندر کوئی نہیں

”ہاں پہلے یہ طے کر دیجئے کہ مجھے کس حیثیت سے بلا یا گیا ہے۔ کیا اس لئے کہ
میں ہیر و اور ہیر و ان کا تماثا شاد بیھوں۔ یا مسخرے کی طرح آپ لوگوں کو محفوظ کروں یا
گورے کے لئے ظریب نو کا کام روں،“

”چلنے ہم نے آپ کو بھائی کا مرتبہ بخشنا،“ آواز آلی

”سوچ لیجئے،“ ایلی نے کہا

”سوچ لیا،“ آواز آلی

”تو بھائی دونوں اپنی اپنے کان نگئے کرو اور میرے ہاتھ میں دے دو،“

”کیوں،“ کوئی نہیں

”تاکہ میں انہیں کھینچوں اور کہوں تم دونوں یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو چلو کوئے پر
گھر کی عزت کا خیال ہے یا نہیں اور یہ سنہری بالوں والے ہمیشہ معصوم بچیوں کو پہلے
ورغالتے ہیں اور وہ کوادیتے ہیں،“

”ارے،“ وہ ہنسنے لگی ”نہ صاحب ہم آپ کو بھائی نہیں بناتے،“

”تو پھر پہلے یہ فیصلہ کیجئے کہ میں کس حیثیت سے بلا یا گیا ہوں،“

کچھ دیر وہ دونوں کھلی کھلی کر کے ہنستی رہیں

پھر ایک بولی ”چلنے آپ اندر کا نیڈریشن سہی،“ یہ سن کر ایلی کو پسینہ آگیا اور اسے
کوئی جواب نہ سوچا

”معلوم ہوتا ہے اب مطمئن ہو گئے ہیں،“ کوئی نہیں

”دیکھئے“، غصے میں ایلی نہ جانے کیا کہنے لگا

”مُہہر یئے جی“، وہ بولی ”انہیں بھی کوئی بات کرنے دیجئے اب نہیں کہ آپ ہی چہکتے رہیں باری باری موقع دیا جائے گا“، ایلی کا غصت خ ہو گیا۔

”انہیں باتوں سے وچپی ہوتی“، ایلی نے کہا ”تو مجھے نہ بلا یا جاتا“

”اب آپ اس کا ناجائز فائدہ حاصل نہ کیجئے“، اندر سے آواز آئی

ایلی خاموش ہو گیا مھفل پر پچھو دیر کے لئے خاموشی طاری رہی

”کرونا کوئی بات بھی“، ایلی نے جمال سے کہا

”لیجئے اب تو بفارش کروں آپ کے دوست نہم“، کوئی نہیں

”میں تو جداں کامانہ ہوں۔ میں کیا بات لرمون“، جمال کھانے لگا

”دیکھ لیجئے“، وہ بولی ”یہ پاس آ کر بھی جداں کے مارے رہتے ہیں“

”یہ کیا ملاقات ہے“، جمال نے آہ بھری

”اور ملاقات کے کہتے ہیں جی“، وہ بولی

جمال لا جواب ہو کر خاموش ہو گیا

”میں نے کہا“، ایلی نے بات شروع کی ”اس کمرے کا دروازہ باہر گلی میں بھی تو کھلتا ہے یہ والا جس کے باہر تالا پڑا ہے۔“

”تو پھر اسے کھول لیجئے تا“، وہ نہیں

”سچ“، ایلی نے پوچھا

”ہاں ہاں“

”یک نامدرکی چیخنی“، ایلی نے پوچھا

”وہ نہیں کھل سکتی“

”کیوں؟“

”بس نہیں کھل سکتی۔ لیجئے سگرٹ“، انہوں نے ایک سگرٹ سلاخوں سے باہر نکالی

”اونہوں“ ایلی چلا�ا ”ہاتھ اندر کیجئے ہاتھ اندر کیجئے ورنہ نظر آجائے گا“
وہ ہٹنے لگیں

جمال نے سگرٹ پکڑ لیا

پھر جب انہوں نے دوسرا سگرٹ باہر نکالا تو ایلی نے انکار کر دیا ”میں نہیں پیتا“
”جھوٹ کیوں بولتا ہے“ جمال بولا
”وہ تو کبھی کھا رکھ ریجا پیتا ہوں“
”یہ بھی تو تفریخی دیا جا رہا ہے“ وہ بولی ”دعا کے طور پر نہیں“
”اچھا“ ایلی بولا ”ضرورتی پلانا ہے تو سلاکا کر دیجئے“
وہ ہٹنے لگی ”جی نہیں“ وہ بولی ”خوبی تکلیف فرمائیے“
”ہم نہیں پیتے“ ایلی کہنے لگا ”ایک تو تمہارے کہنے پر سگرٹ پھیوں اور دوسرے
سلاکا وں بھی خود ہی یہ مہنگا سوادا ہے“

”اڑے“ وہ چلا گئی ”یہ باتوں کے وہنی معلوم ہوتے ہیں“

”خالی باتوں کا ہی ہوں۔ ڈریئے نہیں“ ایلی نے کہا

”دیکھا میں نے کہا نہ تھا“ جمال ہٹنے لگا کہ اسے ضرور بلایے

”آپ نہ جانیں کیا کیا کروں گے ہم سے“ انہوں نے جمال سے کہا ”لیجئے
پان کھائیے“

جمال نے لپک کر پان لے لیا۔ ایلی نے انکار کر دیا۔

”اب آپ کہیں گے کہ پان بھی چبا کر دیجئے“

”اگر تم اندر کا نیڈر لیشن ہو تویں تو ضرور کہتا“

”یعنی آپ انتقام لے رہیں ہیں چھپی چھپی“ وہ نہیں

”لیکن آپ ہیں کتنی“ ایلی نے بات کا رخ بدلا ”ایک ہیں دو ہیں تین ہیں کتنی ہیں
آپ“ ”یہ راز نہیں بتایا کرتے“ وہ بولی

”بُولتی تو ایک ہی ہے“، ایلی نے کہا
”لیکن ہیں دو“، جمال نے کہا
”دوسری کہاں ہے؟“

”دوسری ہی تو بُولتی ہے“، کسی نے نہس کر کہا
”یوں نہیں دوںوں ایک ساتھ بولو تو یقین آئے“، ایلی بولا
عین اس وقت سڑک پر قریب ہی موڑ رہا تھا۔ ایک کی آواز آئی
”بھائی جان“، اندر کوئی زیر لب چلائی۔ اچھا اب آپ جائیں، کھڑکی کے پڑ
بند ہو گئے۔ اگر روز جمال بے حد خوش تھا۔ یار تم نے تو حذر کر دی۔ جب تھی تو میں کہتا تھا
کہ ضرور چلو تمہارے جانتے کے بغیر وہاں بات نہیں چلے گی۔“
”یار“، ایلی نے کہا۔ وہ تو بے حد تیز ہیں۔ وہاں تو پی دال بھی نہیں گلتی۔“
”ویکھانا“، جمال نے کہا۔ جب تھی تو میں اکیلا جانتے سے گھبرا لیا کرتا تھا
”لیکن جمال“، ایلی نے کہا۔ ”میرا وہاں جانا ٹھیک نہیں“
”کیوں“

”آخر کیوں مجھے کوئی دلچسپی نہیں“

اس روز سارا دن اسی بات پر ان کا جھگڑا ہوتا رہا۔ جمال اسے کہہ رہا تھا کہ اب تو
جانا ہی پڑے گا۔ لیکن ایلی جانتے پر تیار نہیں ہوتا تھا۔
دن میں چار ایک بار جمال نے ایلی سے بحث کرنے کی کوشش کی لیکن ایلی نے
اسے روک دیا۔ ”نہیں جمال میں نہیں جاؤں گا۔ اس میں بحث کی کوئی بات نہیں“
شام کے وقت ایلی چپکے سے نیچے اتر گیا اور جمال کے پاس جا بیٹھا۔ جمال نے
باہر کھڑے ہو کر اشارات کئے لیکن ایلی نے سر ہلا کر انکار کر دیا۔ اس نے جمال کو
اکیلے ہی جانا پڑا۔

باتیں ہی باتیں

اگلے روز جمال کی حالت غیر تھی۔ اس کارنگ زردو ہو رہا تھا۔ دوپہر تک وہ ایلی کے پاس نہ آیا تو ایلی چوبارے میں گیا ”کیوں بھی کیا ہوا کل؟“ اس نے پوچھا ”کچھ نہیں،“ وہ بولا

”کچھ نہیں کا کیا مطلب؟“ ایلی نے پوچھا ”انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کھڑکی بند کر لی اور کہنے لگیں جب تک اسے ساتھ نہیں لائیں گے۔ اب کھڑکی نہیں کھلے گی۔ یہ کہہ کرو وہ چالی گئیں اور میں حیران کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔“

ایلی یہ سن کر حیران رہ گیا اس نے محسوس کیا جیسے اس کا کارنگ حل کر گورا ہو گیا ہو ”اب تم کیوں جانے لگئے، جمال نے کہانے جانے جمال کی حالت دیکھ کر یا اس لئے کہ اس کارنگ گورا ہو چکا تھا۔ اس نے جمال کا ہاتھ تھام لیا“ ”مجھے معلوم نہ تھا جمال،“ وہ بولا ”مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ ایسا کریں گی۔“

”میں جاؤں گا ضرور جاؤں گا۔ تم دل برانہ کرو،“ ایلی نے کہا جمال کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی ”اچھا،“ وہ بولا ”تو تم جاؤ گے نا“

”ہاں،“ ایلی نے کہا ”پھر کبھی انکار نہ کرو گے نا“ ”نہیں،“

شام کو جب وہ دونوں کھڑکی کے قریب پہنچ تو آواز آئی ”آپ کس حیثیت سے آئے ہیں جی؟“

”امدر کانسیڈریشن کی حیثیت سے،“ ایلی نے جواب دیا ”اوہ اور کل کیوں نہیں آئے تھے جی؟“

”اس لئے کہ کل میں اپنے آپ کو بھی، کانسیڈریشن سمجھتا تھا،“ ”تو کیا سزا مانی چاہئے آپ کو،“ وہ بولی

”سرزا تو ضرور ملنی چاہئے“ ایلی نے کہا ”ایک تھپٹر کافی ہو گا کیا“

”ہاں“ وہ بولی اور پھر جمال سی مخاطب ہو کر کہنے لگی ”اپ انہیں ایک تھپٹر
ماریے“

”جی نہیں“ ایلی نے کہا ”آپ کو خود تکمیل کرنی ہو گی“

”کیوں کیا اس طبقے کے ہمارے ہاتھ سے چوتھیں نہیں لگائی جائیے“

”اوہ ہوں“ ایلی نے سر ہلاکا

”تو پھر“

”باز و تو منظرِ عام پڑائے گا“ ایلی نے کہا

”ارے“ وہ بھی ”نہیں باز و دیکھنے کا شوق ہے“ پھر ان کی سی بات کرتے ہیں“

”جی ہاں“ ایلی نے جواب دیا

”کیا آپ بچہ ہیں؟“ وہ بولی

”ہوں تو نہیں لیکن بننے کی کوشش کر رہا ہوں“ ایلی نے کہا

”کیوں“ وہ بولی

”کہ شاید آپ میں مامتاجگ اٹھے“

”ارے“ وہ قہقہہ مار کر بھی اور اندر کسی سے کہنے لگی ”یہ بھی انہیں کے ہم خیال معلوم دیتے ہیں“

”کن کے؟“ ایلی نے پوچھا

”اپنے دوست کے اور کن کے آپ کے دوست کا خیال ہے کہ درمیان میں لو ہے کی سلاخیں ہوں تو ملاقات نہیں ہو سکتی اور ہمیں معلوم ہے کہ اگر سلاخیں ہٹا دی جائیں تو یہ کیا مطالبہ کریں گے“

”پھر تو میں اپنے دوست کا ہم خیال نہیں ہوں“

”کیوں“

”میں تو کہتا ہوں کہ ان سلاخوں کو ڈبل کر دیا جائے تاکہ میں اپنے آپ کو زیادہ محفوظ بھجوں اور آپ کی قسم اگر یہ سلاخیں نہ ہوں تو مجھ سے بات بھی نہ ہو سکے۔“

”کیا مطلب؟“ انہوں نے پوچھا

”آپ نے وہ قصہ سنایا“ ایلی کو معاشر اسپ کی کہانی یاد آگئی ”کونسا؟“

ایلی نے کہانی میانا شروع کی ”بھیر یا حکوم پھر رہا تھا۔ وہ ایک سوفٹ اوپنچی دیوار کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ دیوار کے اوپر ایک بھیر کا پچہ بیٹھا ہے۔ بھیر کے پچے نے چلا کر کہا پچا جان مسلم عرض کرتا ہوں۔ بھیر نے اپنے جواب دیا بیٹھا یہ تو نہیں بول رہا یہ سوفٹ اوپنچی دیوار بول رہی ہے،“ ایلی نے کہا ”محترمہ یہ میں نہیں بول رہا، بلکہ لو ہے کی سلاخیں بول رہی ہیں۔“

”یہ تو بکواس کر رہا ہے،“ جمال نے کہا

”تو پھر آپ بات سمجھئے نا،“ وہ نہ کر بولی

”انہیں بکواس کرنے کی کیا ضرورت ہے،“ ایلی نے کہا ”یہ تو اندر رکانسیڈریشن نہیں ہیں،“ وہ نہیں ”یہ آپ کو بات نہیں کرنے دیں گے،“ انہوں نے جمال کو مخاطب کر کے کہا ”نہ جانے آپ انہیں ساتھ کیوں لے آتے ہیں۔“

”آپ نے تو خود ہی کھڑکی بند کر لی تھی گل،“ جمال نے کہا ”اور کہا تھا جب تک اسے ساتھ نہیں لائیں گے کھڑکی نہیں کھلے گی“

”وہ تو اس لئے کہا تھا کہ آپ پر صرف ایک دھن سوار ہے۔ چونکہ آپ کے عزم خطرناک ہیں۔ اس لئے تیرے آدمی کا ہونا ضروری ہے۔“

”نہیں نہیں خدا کے لئے ایمانہ کہئے،“ جمال کھڑکی کے قریب تر ہو گیا۔

”اندر رہا تھا نہ ڈالئے،“ وہ بولی ”منہ زبانی بات سمجھئے آپ کو تو کشتنی کرنے کا شوق معلوم ہوتا ہے،“ ذرا انہیں پیچھے ہٹا دیجئے نا انہوں نے ایلی سے اپیل کی۔

ایلی خاموش کھڑا رہا

”خدا کے لئے ذرا دیا سلامی تو جلا یئے“، جمال نے منٹ کی
”کیوں؟“

”یہاں بہت اندھیرا ہے، وہ بولا
”بس ان کو یہی ایک بات کر آتی ہے، وہ ایلی سے سمجھنے لگی
”خدا کے لئے“، جمال نے اپنا بازو سلاخوں کے اندر ڈال دیا اور وہ ٹارچ جلا دی
جو وہ چھپا کر سا تھا لایا تھا۔ کمرے سے دو ایک بلکل یہی چینوں کی آوازیں دو ملفوظی
اشکال چلاتی ہوئی بھاگیں اور پھر خاموشی چھاتی ہے۔
دیر تک وہ دونوں وہاں چپ چاپ ٹھڑے رہے۔
”بھاگ گئیں آخر“، جمال بولا۔ وہ یونہی بھاگ جایا کرتی ہیں۔
”لیکن یہ ٹارچ تم کیسے لے آئے تھے، ایلی نے پوچھا
”چھپا کر لایا تھا“، وہ ہنسنے لگا۔ یا راتنی دیر ہو گئی ہے ابھی تک ان کی شکلیں بھی نہیں
دیکھیں میرے صبر کا پیانا نہ بیریز ہو چکا ہے۔“

اس کے بعد ان کا معمول ہو گیا کہ شام کے وقت جب کھڑکی میں تیز روشنی دکھائی
دیتی وہ دونوں قبرستان کی طرف چل پڑتے۔ ان کی آمد پر وہ پوچھتیں آپ کے پاس
ٹارچ ہے تو اسے رکھ دیجئے ورنہ کھڑکی نہیں کھلنے گی۔ یقین وہاں پر کھڑکی کھل جاتی
اور کوئی نہ کوئی بات چل نکلتی اور وہ ہستے باتمیں کرتے سگرٹ پیتے حتیٰ کہ ان کے
جانے کا وقت ہو جاتا اور وہ شب بخیر کہہ کر کھڑکی بند کر لیتیں۔

ان ملاقاتوں میں ایلی باتوں میں پیش پیش رہتا تھا اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ
ابھی تک وہ جذباتی طور پر گوریوں سے وابستہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے جو جی میں آئے
کہہ سکتا تھا اس کے علاوہ اسے مزید قرب کی آرزو نہ تھی۔ حتیٰ کہ اسے یہ بھی خواہش
نہ تھی کہ ان کو روشنی میں دیکھے۔ لیکن اس کا مطلب نہیں کہ ایلی ان کی شخصیتوں سے

متاثر نہ ہوا تھا۔

وہ ان کی ذہانت، جرأت اور علم پر حیران تھا۔ ان کی باتیں رنگیں ہونے کے علاوہ پر معنی ہوتیں۔ ان کی زبان شستہ تھی۔ مذاق لطیف اور خیالات بلند تھے۔

ایلی نے اچھی طرح سے جان لیا تھا کہ وہ صرف باتوں کی دلدادوہ ہیں اور ان ملاقاتوں سے ان کا مقصد محفل آرائی کے سوا کچھ نہیں۔ وہ رنگیں باتیں کرنے اور سننے کی شوقیں تھیں اور انہیں بمحضہ باتوں سے نفرت تھی۔

ماہ رمضان کی آمد پر ملاقات کا وقت بدل گیا۔ اب شام کی بجائے وہ سحری کے وقت ملنے لگے۔ رات کے دو بجے کے قریب سفید منزل کے چوبارے میں روشنی چمکتی۔ جسے دیکھ کر دنوں گوریوں سے ملنے کے لئے چل پڑتے۔ اس تبدیلی اوقات پر جمال چلا اٹھا۔

”یاریہ بہت مشکل کام ہے رات کے دو بجے کون جا گے؟“

چونکہ ناؤ گھر کے رہنے والے سب کے سب امتحان کی تیاری میں مصروف تھے۔ بھا کے سوانح میں سے کوئی روزہ نہ رکھتا تھا اس لئے سحری کے وقت ناؤ گھر میں کوئی نہیں جا گتا تھا۔ بھا نے بھی خصوصی انتظام کر رکھا تھا۔ شام کے وقت وہ دو اونٹے بنوایتا جو صبح ڈبل روٹی کے ساتھ کھا کر روزہ رکھ لیتا تھا۔ بھا سے یہ کہنا کہ ہمیں دو بجے جگا دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا تھا۔ گھری کو دو بجے کا الارم لگانے سے بھی وہ ڈرتے تھے تاکہ گھروالوں کو شک نہ پڑے۔ رات کے دو بجے آپ ہی آپ جا گنا بہت بڑی مشکل تھی۔

ان دنوں کا لمحہ امتحان کی تیاری کی چھیٹیوں کی وجہ سے بند ہو چکا تھا اور پی اے کے امتحان میں صرف ڈیڑھ مہینہ باقی تھا۔ ان حالات میں گوریوں کے سکنل کے دیکھنے کے لئے لازم تھا کہ جمال یا ایلی ان میں سے کوئی دو بجے تک جا گے۔ چونکہ جمال جان گنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے یہ ذمہ داری ایلی کو اپنے سر لینی پڑی۔ وہ دو بجے

تک مطالعہ میں مصروف رہتا اور پھر روشنی کو دیکھ کر جمال کو جگاتا اور پھر وہ دونوں مخصوص مقام پر پہنچتے اور وہاں اندھیرے میں ادھراً دھر کی بات چل نکلتی اور ایسی بے شکنی ہانگما گوریاں فقرے چست کرتیں اور جمال کیوت سی آنکھیں بنا کر گوریوں کی طرف دیکھتا۔ ان جانے میں کھجاتا اور جب ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا تو بھکاری کی حیثیت سے سلاخوں کے قریب جا کھڑا ہوتا "خدا کے لئے" وہ چلاتا اور گوریوں کے ماتھے پر ٹکن پڑ جاتے۔

دروازہ

در اصل جمال کا پیان صبر بیر بین ہو چکا تھا۔ وہ ان ملاقاتوں اور بے کار کی باتوں سے اکتا چکا تھا۔ اسے مجھ میں نہیں آتا تھا کہ گھنون کھڑے ہو کر باتیں کرتے رہنے کا مطلب کیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ بار بار ایسی کو کہتا رہا۔

"ایسی یا رپکھ کرنا چاہیے اگر ہم کسی طرح اس دروازے کو کھول لیں جو باہر گلی میں کھلتا ہے تو اندر رجا سکیں گے" ایسی کویہ تجویز ناپسند نہ تھی۔ لیکن وہ اس کے لئے بیتاب بھی نہ تھا۔ وہ حقیقت دل ہی دل میں ایسی ان لاکیوں کے قرب سے ڈرتا تھا۔ اس کی وجہ غالباً اس کا جذبہ کتری تھا جو محورت سے متعلق اس کے دل کی گہرائیوں میں جاگزین ہو چکا تھا۔ شاید اسی وجہ سے وہ جمال کے اس مطالبے کو نالتا رہا۔ لیکن آخر کار اسے جمال کی بات ماننا ہی پڑی۔

ایک روز گوریوں سے ملاقات کے اختتام پر وہ دونوں وہاں رک گئے۔ انہوں نے مارچ جلا کرتا لے کی ساخت کو بغور دیکھا اور یوروں کی تعداد معلوم کی اور بالآخر موم کے ایک گولے پر جو وہ جاتے ہوئے ہمراہ لے گئے تھے تالے کے سوراخ کا نقش حاصل کر لیا۔

اس روز وہ دونوں بازار میں تالوں کی دکانوں پر گھومتے رہے اور انجام کارویے ہی چارتالے خرید کر لے آئے۔ اگلے روز ملاقات کے بعد انہوں نے وہ چاروں

چاپیاں اس تالے پر آزمائیں خوش نصیبی سے ایک چاپی لگ گئی اور تالہ کھل گیا۔ انہوں نے کندھی کھولی اور دروازے کو کھولنے کی کوشش کی مگر اندر سے چھپنی لگی ہوئی تھی۔

”اب کیا ہو گا؟“ جمال کہنے کا ساری محنت اکارت گئی۔ اگر ہم نے تالہ کھول بھی لیا تو وہ اندر سے چھپنی نہیں کھول سکتی۔“

”جلدی نہ کرو؟“ ایلی نے جواب دیا ”یہ بات مجھ پر چھوڑو۔“
”یار کچھ کرو، جمال نے نتیں کرنا شروع کر دیں“ ایسی چالاکی کرو کہ بات بن جائے“

اگلی رات وہ دو بجے سے پہلے ہی ویاں جا پہنچنے لگے۔ ایلی اور کندھی کھول دی۔

پھر وہ گوریوں کا انتظار کرنے لگے۔ اس دوران میں ایلی نے اچھی طرح جمال کو تاکید کر دی کہ دروازہ کھولنے کے بارے میں گوریوں کا انتظار نہ کرے۔ جب وہ دونوں کھڑکی میں آئیں تو ایلی نے حسب معمول ادھراً دھر کی بات چھیڑ دی اور دیر تک وہ بیوں باتوں میں محورہا جیسے دروازے کی تفصیل بھول چکا ہو۔ پھر دفعتاً وہ زمین پر بیٹھ گیا۔

”ہا میں آپ بیٹھ کیوں گئے؟“ وہ بولی

”ہو گلتی ہے،“ ایلی نے جواب دیا

”ہوا تو بلکہ اچھی لگتی ہے،“ وہ بولی

”اے گل سے بخاراً تاہے،“ جمال نے کہا

”اڑے،“ وہ بولی ”تو آپ نے بتایا کیوں نہیں،“

”بتاویتا تو کیا کرتیں آپ کیا دروازہ کھول کر اندر بلا لیتیں،“

”ہاں ہاں کیوں نہیں،“ وہ نہیں

”جبھی تو بتایا نہیں ڈر تھا کہ مجھے اندر نہ بلا لو“

”اگر باہر تالہ نہ پڑا ہوتا تو میں ابھی آپ کو اندر لے آتی“

ایلی نے تفہیم لگایا ”آپ میں اتنی جرأت کہاں آپ“

”کیوں“ اندر سے آواز آئی

”بس قرآن سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ آپ شاید اس خوش نہیں میں ہیں، وہ بولا“ کہ آپ لذو ہیں۔ اور ہم بھوکے جاث، وہ ہنسنے لگی ”بھوکے جات نہیں البتہ بھکاریوں سے سابقہ ضرور پڑتا ہے“

”تو بھکاریوں سے ڈرتی ہیں آپ“ ایلی نے تفہیم لگایا

”ہم تو کسی سے بھی نہیں ڈرتے“ وہ بولی

”تو پھر اندر کی چیختنی کھول دکھائیے“ اس گفتگو کے دوران میں جمال حموکنے کے بھانے گلی کی طرف نکل گیا تھا۔ لیکن ایلی جگہ پر جمارہا۔

”لواس میں کیا ہے“ اندر کوئی بولی اور پھر چیختنی کھولنے کی آواز سنائی دی اور پیشتر اس کے کہ وہ اسے پھر سے بند کر لیتیں جمال نے دروازے کو دھکیل کر کھول دیا۔ دروازہ کھلتا دیکھ کر وہ دونوں چینیں مار کر بجا گیں اور ایک دوسری پر گرتی پڑتی نظر سے غائب ہو گئیں۔ سلاخ دار کھڑکی کے پیچھے وہ جگہ جسے وہ کمرہ سمجھتے تھے درحقیقت زینے کا نچلا حصہ تھا۔

سامنے ایک دروازہ عمارت کے اندر کھلتا تھا۔ دوسری طرف زینہ تھا۔ جس میں گھر کا کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ ٹوٹی ہوئی میزیں کرسیاں کھو کھے اور جانے کیا کیا۔ دوسرے کونے میں اندر ٹوٹی دروازے کے پاس دو پاٹ رکھے ہوئے تھے۔ کمرے کی چوڑائی چار فٹ سے زیادہ نہ تھی۔

اگلے روز دروازہ کھولنے کا جھگڑا از سر نو شروع ہو گیا۔ آخر میں وہ جلال میں آ گئیں۔ ”ویکھے صاحب“ ایک بولی ”ہمیں دروازہ کھلنے میں کوئی عذر نہیں آپ شوق

سے تشریف لائیں لیکن،” ایلی نے اس کی بات کاٹ کر کہا ”اگر اس لیکن کی وضاحت ہمیں اندر بلانے کے بعد کی جائے تو بہتر ہو گا۔“

جب دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہو گئے تو وہ نہایت سنجیدگی سے کہنے لگی ”ویکھنے ممکن ہے آپ ہمارے متعلق کسی غلط فہمی میں بتتا ہوں۔ شاید آپ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ آپ کو ملاقات کی دعوت دینے سے ہمارا کچھ مقصد ہے۔ یہ خوش فہمیاں دل سے نکال دیجئے تو بہتر ہو گا اور اگر آپ نے کوئی نامناسب حرکت کی تو ہمیں بے حد دکھ ہو گا۔“

”ڈرائیچپے ہٹ بھائیے محترمہ مجھے آواتی ہے،“ ایلی نے کہایا یہ کروہ زمین پر بیٹھ گیا۔

”بُو،“ وہ بولی ”نہیں یہ پاٹ تو خالی پرے ہیں“
”نہیں پاٹ والی بُو نہیں،“ ایلی نے کہا ”لیکن ہم نے کوئی خوبصورتو لگائی ہوئی نہیں،“
”لگائی ہو یا نہ بہر صورت آتی ہے،“ ایلی نے کہا ”آپ کی ساری قوم سے آتی ہے۔“

”بُلے بد تمیز ہیں آپ،“ وہ بُنسی
”یہ تو ٹھیک ہے،“ ایلی نے جواب دیا ”الٹا مجھے آپ سے شکایت ہے کہ آپ ضرورت سے زیادہ بد تمیز ہیں۔“

عین اس وقت جمال نے دیا سلامی سے موم بستی جلائی جو وہ اپنے ساتھ لا یا تھا اور پھر اسے کمرے کے پر لے کونے میں رکھ دیا۔

”ارے،“ وہ چلا کیں لیکن جلد ہی سنجل گئیں
”تو آپ شکل و صورت دیکھنا چاہتے ہیں،“ کچھ دریتک وہ خاموش روشنی میں کھڑی رہیں پھر ایک بولی
”کیوں پسند ہے آپ کو“

اس کے انداز میں اتنی طنز تھی کہ ایلی پر گھروں پانی پڑ گیا۔ لیکن جمال نے جارہا تھا۔

”اوہوں بالکل پسند نہیں“ ایلی بولا۔ مخصوص اور پاکیزہ چٹ کپڑیاں بڑی خطرناک ہوتی ہیں۔ ان سے کہیں بہتر یہیں جو آنکھیں مٹھاتی ہیں جاتی ہیں شرماتی ہیں اور کوٹھے۔

”کیا مطلب ہے آپ کا“ وہ بولی
”مطلب یہ ہے محترمہ کم از کم مجھے باہر نکال دیا جائے۔ میرا تو یہ خیال تھا کہ
اندھیری اپوزیشن باہر کی نسبت بہتر ہو جائے گی لیکن یہاں آگر تو اپنی کوئی حیثیت
ہی نہیں رہی۔ صورت حال خطرناک ہو گئی ہے۔“

”تو خود ہی باہر نکل جائیے“ وہ جلال میں بولی
”خود نکلنے کو جی نہیں چاہتا“ ایلی نے کہا
”اچھا“ کہہ کر وہ آگے بڑھی

”نہیں نہیں نہیں نہیں“ ایلی نے شور مچا دیا ”خدا کے لئے مجھے چھوٹا نہیں میرا اول
پہلے ہی کمزور ہے۔“

”وہ نہ سڑی“ آپ بھی عجیب ہیں لیکن آپ انہیں توبات کرنے دیتے ہی نہیں
آپ بھی کوئی بات سمجھے نہ اس نے جمال کو مخاطب کر کے کہا
”جان من میں تو“ جمال نے آگے بڑھتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

”وہیں سے بات سمجھے“ وہ بولی اور خود پیچھے ہٹ گئی

چھوٹی بڑی

اس روز روشنی میں ایلی نے پہلی مرتبہ انہیں دیکھا۔ شکل و صورت طبیعت اور انداز
میں وہ دونوں ایک دوسری سے مختلف تھیں بڑی کا چہرہ کتابی تھانقوش ستواں تھے۔
جسم دبلا پتلاموٹی موٹی سیاہ آنکھوں میں غم کی جھلک ہونٹ پتلے اور یوں سمجھنے ہوئے

تھے جیسے کراہ دبائے ہوئے ہوں چھوٹی کا چھپر اتنی سم اور زندگی سے بھر پور تھا اس کا جسم بھرا بھرا تھا۔ ہونٹ یوں کھلے ہوئے تھے جیسے کوئی لطیفہ سن کر بیٹھی ہو۔ بڑی خاموش تھی نتوہہ کھیل کی متعینی تھی نہ اس میں احتجاج کی صلاحیت تھی چھوٹی میں جلال اور جمال کی عجیب آمیزش تھی و فلتا نہستے ہنسنے وہ حجیدگی اختیار کر لیتی اور پھر جلد ہی آپ ہی آپ ہنسنے لگتی۔ ان یوں کے لباس سادہ تھے اور بظاہر سنگار سے عاری تھیں۔

”آپ بیٹھ کیوں گئے“ چھوٹی نے کہا ”اٹھ کر کوئی بات تھی؟“

”اونہوں“ ایسا نے جواب دیا ”اب جمال کی باری ہے“

”انہیں تو صرف ایک بات ہلتی ہے“ چھوٹی نے کہا

”وہ بھی سن لیجئے کیا ہو جن ہے۔ جب تک میری بات چھیٹ ٹھیک ہو جائیں گی“

”باچھیں ٹھیک ہونے کا مطلب؟“

”محترمہ“ وہ بولا ”مول کریمی باچھیں دکھنے لگیں ہیں“

”ارے“ وہ دنوں ہنسنے لگیں

”میں گاؤں کا رہنے والا ہوں محترمہ“ وہ بولا ”ہم تو کبھی کبھار عید شب برات کو اردو بولتے ہیں۔ یا جب کبھی غصہ آجائے۔ آپ سی اہل زبان کو ملنے کا مجھے موقع نہیں ملا کبھی“ پھر از راہ مذاق وہ پنجابی میں کہنے لگا

”ہن مینوں ساہ لے لیں دیو“

”لے لو جی ساہ ڈھڈ بھر کے“ وہ ٹھیٹھ پنجابی میں بولتے ہوئے ہنسی

”ارے“ ایسا اٹھ کر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا ”پنجابی؟“

”ٹھیٹھ پنجابی“ وہ بولی

”پنجابی فارسی اردو انگریزی یا اللہ“ ایسا مخزوں کی طرح منہ بنا کر چلایا

”یہ آپ کیا کر رہے ہیں“ ”فلتا وہ غصے میں چلائی“ جمال صاحب ایسی فضول رکنیں نہ کہجئے۔

”میری جان، جمال بولا“ میں کیا کروں میں مجبور ہوں“

”چلو بائی چلیں، اس نے بڑی بہن سے کہا ”چلو“

”خدا کے لئے“ جمال چایا ”میں تباہ ہو جاؤں گا“ اور پھر دھڑام سے فرش پر گر

۔۔۔۔۔

”ارے، ایلی اس کی طرف لپکا“ یہ کیا کر رہے ہو؟“
”دیکھئے، چھوٹی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بولی“ جب یہ ہوش میں آ جائیں تو
انہیں یہاں سے اٹھا کر لے جائیے گا۔ خدا حافظ“
واپس جاتے ہوئے ایلی نے جمال سے کہا ”یہ کیا کیا تم نے سارا کیا کرایا تباہ کر
دیا“

جمال قیقہہ مار کر نہسا ”یا ریلی یہ رکیاں یونہی کیا کرتی ہیں تمہیں کیا خبر“
”نہیں یا رے، ایلی نے چڑھ کر کہا ”وہ ایسی باتیں پسند نہیں کرتیں“

”وہ یہی ظاہر کیا کرتی ہیں“ جمال نے پہلی مرتبہ ایلی کے خیال سے اتفاق نہ کیا“
تم اس معاملے کو نہیں سمجھتے۔ دو ایک بارا حاجاج کریں گی پھر“ وہ معنی خیز انداز میں
ہٹنے لگا

ایلی کو غصہ آ رہا تھا لیکن وہ خاموش رہا۔

”تمہاری مرضی، وہ بولا“ آخر یہ ساری رچنا تمہاری ہی رچائی ہوئی ہے۔“

”بس تو،“ جمال بولا ”اس معاملے میں تم دخل نہ دو۔ بس دیکھتے جاؤ“

تین دن گزر گئے نہ تو گوریوں نے خط لکھا اور نہ انہوں نے رات کے وقت انہیں
بلایا۔ اس پر جمال گھبرا گیا اور اس نے از سر نور ساتی سے انہیں دیوانہ وار اشارے
کرنے شروع کر دیئے۔ جمال کو دیکھ کرو وہ ہٹنے جاتیں اور جب وہ رات کی ملاقات
کے لئے اشارہ کرتا تو نفی میں سر ہلا دیتیں۔

تیرے روزان ک ایک لمبا چوڑا خط موصول ہوا۔ جس کا لب لمبا یہ تھا کہ

جب تک آپ یہ یقین نہ دلائیں گے کہ بھوٹی اور فتح حرکات کے مرتکب نہ ہوں گے ملاقات نہیں ہوگی۔ البتہ آپ کے دوست آسکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ ہمیں یقین دلائیں کہ وہ آپ کو ساتھ نہیں لائیں گے۔

”ایلی، جمال نیم چھٹی میں نیٹھ کر لئے کا یار تم مجھے چھپا کر ساتھ لے چلو میں صرف ایک بار انہیں ملنا چاہتا ہوں۔“

”انہیں یقین کیوں نہیں دلادیتے کہ تم ایسی حرکت نہ کرو گے“
”ایسی حرکت نہ کرنی ہو تو پھر انہیں اونیزدہ حرام کرنے کا فائدہ“ وہ بولا

”وہ دونوں اس موضوع پر سہارا دن بحث کرتے رہے۔ جمال چاہتا تھا کہ ایلی اکیلا آنے کا یقین دلائیں مساتھ سے لے جاتے۔ لیکن ایلی کو یہ بات منظور نہ تھی۔ آخر جمال کو ایلی کی بات ماننا پڑی اور انہیں نے ایک مختصر خط میں انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ کوئی ایسی حرکت نہ ہوگی جو انہیں ناپسند ہو۔“

ورثہ

اس روز پہلی مرتبہ ایلی کا جی چاہا وہ اپنی طرف سے بھی ایک رقعہ لکھے۔ نہ جانے کیوں اس کا جی چہاتا تھا کہ وہ کچھ کہے۔ ایسی بات کہے جوتا روں کو چھیڑ دے ایسی بات جو کچھ بھی نہ کہہ رہی ہو اور بھی کچھ کہہ دے۔ اسے اس بات کا شعور نہیں تھا کہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

ایلی نے پہلی مرتبہ یہ خواہش محسوس کی کہ وہ جمال کو نہ بتائے بلکہ چپکے سے رقعہ ملفوظ کر دے اور جمال کو علم بھی نہ ہو۔ چونکہ شعوری طور پر اس کا کوئی خاص مقصد نہ تھا اس لئے ایلی نے یہ سوچ کرانے آپ کو مطمئن کر لیا کہ یہ تو محض چھیڑ چھاڑ ہے۔ لیکن دراصل اس نگین چھیڑ چھاڑ کے بہانے وہ اس محفل میں اپنے لئے ایک مقام پیدا کر رہا تھا۔ اور جان بو جھ کر ایسی بات کرتا تھا۔ ایسا انداز اپناتا تھا۔ جس سے جمال اور ایلی کا فرق نمایاں ہو۔ دونوں کا موازنہ ہو جائے۔ ایلی نے کبھی اپنے آپ

کو اس سلسلے میں موردا الزام نہ ٹھہرایا تھا کہ وہ چالاکی سے اپنے دوست کو بھونڈی شکل میں پیش کر رہا ہے۔ اس کی ایسی حرکات اور ایسی باتوں کا مقصد کیا تھا یہ اسے خود بھی معلوم نہ تھا۔ شاید وہ گوریوں سے انتقام لے رہا تھا۔ جنہوں نے اس پر ناقابلِ اتفاقات کا بیبل لکھا تھا۔ جو تنفس سے اس پر نہستی رہی تھیں یا شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ ان کی رنگین باتیں سن کر ان کی خودداری اور ہنی عظمت کو محسوس کر کے وہ درپردازی سے محبت کرنے لگا تھا۔

جب جمال خط نقل کر کے چوبارے میں چلا گیا تو ایلی اپنا رقعہ لکھنے کے لئے بیٹھ گیا۔ اس نے چار ایک سطھ لکھیں۔ لیکن دو بارہ پہنچنے پر اس نے محسوس کیا کہ وہ سطور بے معنی تھیں۔ اس نے وہ ورق پھاڑ دیا اور پھر سے لکھنے لگا۔ لیکن سات آٹھ الفاظ لکھنے کے بعد اس نے پھر محسوس کیا کہ مضمون تاثر سے خالی ہے۔

گھری نے ایک بجا دیا اور ابھی وہ اپنا رقعہ مکمل نہ کر پایا تھا۔ یہ پہلا دن تھا جب ایلی کے لئے انہیں خط لکھنا مشکل ہو رہا تھا حالانکہ وہ انہیں سوچ سمجھے بغیر بیسیوں خط لکھ چکا تھا۔ ان خطوں پر اسے سوچنا ضرور پڑتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی لکھنے ہوئے خط کو پھاڑا نہ تھا۔ کبھی محسوس نہ کیا تھا کہ خط کا مضمون تاثر سے خالی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پہلا دن تھا۔ جب کہ ایلی گوریوں سے لگا وہ محسوس کر رہا تھا۔ اگرچہ اسے اس لگاؤ کا شعوری احساس نہ تھا۔

ڈیڑھ بجے کے قریب ایلی نے محسوس کیا کہ جو کچھ بھی وہ کہنا چاہتا ہے اسے لفظوں میں نہیں لایا جا سکتا اس لئے اس نے صرف ایک سطھ لکھ کر ایک چھوٹا سا پر زہ جمال کے خط میں لپیٹ دیا۔ لکھا تھا۔

”اب نہ ملے محترمہ! اب ملاقات کی ہمت نہ رہی۔ جب سے آپ سے متعارف ہوں دعا کئیں مانگتا ہوں کہ ملاقات کا سلسلہ مسدود ہو جائے ورنہ“

ایلی کا وہ ورنہ رنگ لایا اگلے روز دوران ملاقات جب ایلی نے کہا ”اللہ کرے
اب کی بارتم اس قدر نا راض ہو جاؤ کہ ملاقاتوں کا امکان ہی ختم ہو جائے“
”کیوں؟“ بڑی نے پوچھا ”آپ کو کیا تکلیف ہے؟“
”بڑی تکلیف ہے“ ایلی نے کہا ”لئے عمارہ لوح ہیں جنم کہ آگ سے کھلنے کے
لئے گھر سے چل کر آتے ہیں“
”کہاں ہے آگ؟“ چھوٹی نہیں
”اب ملاقات کی ہمت نہیں رہی، ایلی نے کہا اور“
عین اس وقت ایلی نے اپنے یاتھ پر زرم سادبا محسوس کیا
ایلی سمجھتا تھا کہ اس دبایہ کا مطلب اسے خاموش کرنا ہے، لیکن نہ جانے اسی دباؤ
کی وجہ سے اس خاموش یقین دہانی فی وجہ سے جو اس دباؤ میں پہنچ گئی۔
اس کو اپنانے کے جذبہ کی وجہ سے جو اس دباؤ سے ظاہر ہوتا تھا۔ ایلی جوش میں آ
گیا۔

”یہ کس نے مجھے چھیرا کون چھیر رہا ہے مجھے؟“ اس نے دہانی مچا دی
”کون چھیر رہا ہے بھی مت چھیروانہیں؟“ چھوٹی نہس کر بولی۔ ساتھ ہی ایلی
نے دباؤ پھر محسوس کیا۔
وقتاً اس نے بات کا رخ بدلا ”سازند چھیرو“ وہ بولا ”مجھ میں تو پہلے سے ہی نگے
پے قرار ہیں مجھے کوئی نہ چھیرے“

”اچھا“ بڑی بولی ”بڑا ذمہ ہے آپ کو اپنے آپ پر“
”رعم تو نہیں۔ اگر میں گر کر بے ہوش ہو گیا تو پھر ہوش میں نہ آؤں گا اور لاش“
اندھیرے میں کسی نے ایلی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
ایلی پر ایک نشہ سا طاری ہو گیا اور وہ گھبرا کر بیٹھ گیا۔
دیر تک کمرے پر خاموشی طاری رہی۔ جمال ادھر دوسرے کونے میں باجی کے

پاس چپ چاپ کھڑا تھا ایلی کے قریب چھوٹی کھڑی تھی۔

”آپا یہ خاموش کیوں ہو گئے؟“ بڑی نے چھوٹی سے پوچھا
”پتہ نہیں،“ وہہ سننے لگی۔

”ہر مظلوم آدمی پہلے چلاتا ہے پھر خاموش ہو جاتا ہے“ ایلی نے کہا ہلکی سی ہنسی کی
آواز آئی پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ ایلی کے سر پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا۔

پھر اس نے محسوس کیا کہ اس کے قریب ہی سلپر وں میں نیم چھپے وہ پاؤں رکھے
ہوئے ہیں۔ وہ جھک کر پاؤں دیکھنے لگا اس نے پاؤں کو چھوپا

All rights reserved 2002 ©
”یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟“ آپ چلا کی

”مجھے خزانہ مل گیا ہے ہو تو کوئی نکال رہا ہوں تو وہ بولا

وہ ہنسی ”یہ زمین پر بیٹھنے کا کیا مطلب ہے؟“ وہ بولی ”آپ تو سرا سرجات ہیں“

ایلی نے اس کی بات کا جواب نہ دیا بلکہ پاؤں سلپر سے نکال کر ہاتھوں میں تھام
لیا

”میرا پیغمبر تو چھوڑیے“ آپ چلا کی

”اڑہ میں سمجھا میرا پاؤں ہے“ وہ بولا

آپ کی زبان قابل قطع ہے وہہ سننے لگی

”ٹھیک ہے رنگ روپ اللہ نے نہیں دیا۔ رہی ہی ایک زبان ہے وہ آپ کا ث
لبخیز،“

وہ ہنسی پھر خاموشی چھا گئی

”آج جمال صاحب نے اپنی بات نہیں دھرائی“ آپ نے کہا

”دھرار ہے ہیں“ ایلی نے کہا

”کیا مطلب؟“ وہ بولی

”دھرار ہے ہیں مگر منہ زبانی نہیں آج انہیں اپنا مقام مل گیا ہے۔“

آپا قہقہہ مار کر فٹی ”ابھی تو اندر کا سید ریشن ہوں“

اس روز کمرے کی خاموشی بے حد متكلم تھی۔ اس خاموشی میں نہ جانے کیا کیا ہو رہا تھا۔ کوئی ہاتھا ایلی کے بالوں کو تھپک رہا تھا۔ منہ کو سہلا رہا تھا۔ کمرے کے دوسرا سرے پر عجیب سی آوازیں پیچا ہو رہی تھیں۔ عجیب سی گھنٹن محسوس ہو رہی تھی۔ وہ محسوس کر رہا تھا جیسے کسی کے ہاتھ کا جھنجھنا ہو اور اس اضطراب سے نجات پانے کے لئے جی چاہتا تھا کہ دروازہ کھول کر باہر نکل جائے اور جانتے ہوئے کہے ”محترمہ ظلم کی حد ہوتی ہے“

اس روز جب وہ ناؤں کھل لوٹ رہا تھا تو پہلی مرتبہ اس کے دل میں کچھ ہو رہا تھا۔ اس رات پہلی مرتبہ وہ بے تعلق فائح کی حیثیت میں نہیں لوٹ رہا تھا۔ بلکہ جیسے اس کا کچھ حصہ وہیں اس زینے میں رہ گیا ہو دل میں کچھ کچھ ہو رہا تھا۔ دل کے تاروں کو کوئی چٹا سفید گدگدا ہاتھ چھیڑ رہا تھا اور جسم کے تارنگ رہے تھے۔ اس روز اسے یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ اسے جمال کے برناو کی کسی تفصیل پر بحث کرنا ہے۔ جیسے واپسی پر وہ روز کیا کرتے تھے۔ بلکہ اس روز وہ محسوس کر رہا تھا جیسے وہ اکیلا ہو۔ جب جمال نے بات چھیڑی تو ایلی تو وہ یہ بھی بھول چکا تھا کہ اس کھیل کا ہیر و جمال ہے اور اس کی اپنی حیثیت کوئی نہیں۔

”یار میں تو بھولاہی رہا“ جمال نے ایلی کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا
”ہوں“ ایلی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا

”بڑی والی تو بہت ہی اچھی ہے۔ کیا کہتے ہیں اسے ہاں باجی؟ اور وہ آپا وہ تو ظالم کچھ کرنے ہی نہیں دیتی تھی اور میں بھی ایسا یقین وقوف ہوں کہ میں نے کبھی باجی کی طرف توجہ ہی نہیں کی تھی۔“

”ہوں“ ایلی اپنے خیال میں مگن تھا۔

”وہ اتنی تیز نہیں اور وہ چھوٹی آپا تو پولیس کی افسر معلوم ہوتی ہے!“

”ہاں“ ایلی نے کہا

”تم نے ٹھیک کہا تھا“ جمال نے ہستے ہوئے کہا

”کیا؟“

”کہا تھا نامیرے بارے میں کہ آج اسے اپنا مقام مل گیا ہے۔ یا تم بات دیکھے

بغیر بھانپ لیتے ہو؟“

”میں نے تو ویسے ہی بکواس کی تھی“

”لیکن یاڑ، جمال بولا خدا کے لئے وہاں ایسی بات نہ کیا گروئے؟“

”کیوں؟“

”تمہاری بات سن کر وہ پیچھے ہٹ گئی اور پھر دیریک، وہ ہٹنے کا

”تو مبارک ہو“ ایلی نے کہا ”تمہاری بات بن گئی نہ؟“

”بات تو نہیں بنی، وہ بولا“ یاڑیہ دونوں عجیب لڑکیاں ہیں کسی کو قریب آنے نہیں
دیتیں۔ میں نے ایسی لڑکیاں آج تک نہیں دیکھیں،“

”کیسی دیکھی ہیں؟“ ایلی نے بتے تو جنی سے پوچھا

جمال نے قہقہہ مار کر ایک بھر پور ہاتھ ایلی کے شانے پر مارا ”یاڑکیاں تو چھٹ جایا کرتی ہیں جھینپتی بھی ہیں، لجاتی بھی ہیں، نہ نہ بھی کرتی ہیں، لیکن ساتھ ہی چٹی بھی جاتی ہیں، وہ قہقہہ مار کر ہٹنے لگا۔

”اچھا!“ ایلی بولا ہمیں بھی پتہ بتاؤ کسی ایسی لڑکی کا

”نداق نہ کرو یاڑ، جمال بولا“ یہ باجی بھی خاموش لڑکی ہے اور نہ نہ کرتے ہوئے
بھی بہت کچھ برداشت کر لیتی ہے“

”تو یاڑ،“ ایلی نے نہ جانے کس خیال سے کہا ”کل ہم اپنی اپنی جگہ بدلتے ہیں،“

”نہ نہ نہ“ وہ شور مچانے لگا ”آپا تو مجھے ڈانٹے گی،“

”مجھے تو نہیں ڈانٹی،“ ایلی نے کہا

”تمہاری بات اور ہے“ وہ بولا
”وہ کیسے؟“

جمال ہنسنے لگا ”برانہ ماننا تمہیں دونوں ہی پسند نہیں کرتیں اس لئے“

”چلو یہ بھی اچھا ہے“ ایسا بولا جان پیچی لاکھوں پائے“

یہ باتیں ایسا شاید اس لئے کہ رہا تھا کہ وہ بات کو راز بنا کر حفظ کر لینا چاہتا تھا۔

اس کا سے راز بنا نا بدلت خود اس بات کا شاید تھا کہ وہ آپا سے تعلق محسوس کرنے لگا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ جمال کے روپ و کوئی ایسی بات کر رہے جس سے آپا پر حرف ۲۷۔

اس روز ایسی سارا دن مصطفیٰ رب ربان وہ پہلا دن تھا جب اس نے اس کھیل کو اہمیت دی تھی۔ ان کیفیات کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جو اس نے سفید منزل کے زینے میں محسوس کی تھیں۔ اس روز وہ ایک لفظ بھی نہ پڑھ سکا۔

شام کو جب وہ دونوں نیم چھتی میں بیٹھے تھے تو نیچے سے بھا آیا ”یہ تمہارا تار ہے“ بھانے تا زمیل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ”تمہاری بیوی بیمار ہے تمہیں بیایا ہے۔ لیکن یا ر“ بھانے حیرت سے کہا ”تم شادی شدہ ہو جمال یہ مجھے آج ہی معلوم ہوا؟“

”کئی لوگوں کا ب تک معلوم نہیں“ ایسا نے بامعنی انداز سے کہا جمال تا پڑھ کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے چہرے کی حالت بدل گئی ”یا ر مجھے جانا ہو گا ابھی بھا کوئی گاڑی جاتی ہے اس وقت؟“

”لیکن گھبرا نے کی کوئی بات نہیں، بیماری عام سی معلوم ہوتی ہے۔“

”نہیں یا ر“ جمال بولا ”مجھے اپنی بیوی سے بڑی محبت ہے“ اس کی آنکھیں پر نم تھیں۔

گاڑی میں بیٹھ کر پہلی مرتبہ جمال کو خیال آیا کہنے لگا ”یا ر ایسا تم تو شاید اب ان سے ملنے نہ جاؤ گے۔ لیکن ایک مرتبہ تو جانا ہی پڑے گا ضرور جانا کہیں ان سے یہ نہ

کہہ دینا یا کہ بیوی بیمار ہے بلکہ کہنا والدہ کی بیماری کا تاریخ ادا کیا رہنی ہیں یہ معلوم نہ ہو کہ میں شادی شدہ ہوں۔“

ہولڈاپ

رات کو جب گوریوں نے دیکھا کہ ایلی اکیلا ہی آیا ہے تو باجی بولی ”وہ کہاں ہیں؟“

”اسے گاؤں جانا پڑا“ ایلی نے انہیں تار کے متعلق بتایا۔ پھر وہ باتوں میں مصروف ہو گئے دونوں اس کے دامیں بائیں آگھڑی ہو گئیں۔

”یہ بات تو غلط ہے، اس نے شور مچا دیا“ آپ وہ اور میں اکیلا، دونوں نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیتے۔

”ہاتھ لگانا فاول ہے، وہ چینے لگا۔ پھر اسے دفتار سوجھی دیکھئے جی وہ بولا“ شاید آپ نے میرے متعلق کوئی خوش نہیں پال رکھی ہو۔ شاید آپ سمجھے بیٹھی ہوں کہ ملاقات سے میرا کوئی خاص مقصد ہے مہربانی سے یہ خیال دے سے نکال دیں،“

”انتقام لینے میں تو آپ کا جواب نہیں، آپا ہنسنے لگی

”نہیں نہیں انتقام کی بات نہیں ابھی کل کی مصیبت سر سے نہیں ٹلی،“

”کل کی مصیبت کیا“ انہوں نے پوچھا

”کل رات کسی کی لاپرواہی سے ایک خوبصورت نگین ہاتھ میرے چہرے سے چھو گیا تھا یا شاید کسی نے شرارت کی ہو۔ ایمان سے ابھی تک جھنجھنا بنا ہوا ہوں۔ اصل میں میرا دل بہت کمزور ہے اور محترمہ شاید آپ کو معلوم نہیں میں اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا ہوں“ یہ کہہ کروہ زمین پر بیٹھ گیا۔

”یہ کیا کرتے ہیں آپ“ وہ چلا گئیں ”زمین پر بیٹھ جاتے ہیں اس طرح“

”آپ نے بندوقیں جواہار کھلی ہیں۔ کھڑا رہوں تو زد میں رہتا ہوں“

بندوقیں کون سی بندوقیں بڑی نے پوچھا

”جو آپ نے بغلوں میں دبارکھی“ ایلی رک گیا

”چپ چاپ“ چھوٹی چلائی ”آپ بھی غصب کرتے ہیں“
”لیکن“ ایلی نے کچھ کہنا چاہا

امدھیرے میں پھر وہی باتھاں کے منہ پڑا کا

”جھن جھن جھن جھن“ وہ شور مچانے لگا

”کیا ہوا؟“ بابی نے پوچھا آپ نے چکے سے باتھا ٹھالیا
جھنجھنا بن گیا ہوں مجھے بچائیئے خدا کے لئے مجھے کوئی بچائے
دیر تک وہ بستی رہیں پھر کسی نے چکے سے اسے چنکی بھری

”تمہارے گھر میں آیا ہوں جو جن میں آئے لازمیجھے اور پھر آج ہی کا تو دن ہے۔“

”کیوں؟“ آپابولی

”میں تو صرف یہ پیغام دینے آیا تھا کہ جمال نہیں آ سکے گا کچھ روز کے لئے“

”لیکن آپ تو آئیں گے نا؟“ چھوٹی نے پوچھا

”آنے کا مطلب“ ایلی نے کہا

”تو کیا آنے کا کوئی مطلب نہیں؟“ آپابولی

آپانے چنکی بھری اور بولی ”آپ ہی بتائیے“

”میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میری حیثیت کھانے میں نمک کی سی ہے۔ کھانا نہ ہو تو خالی
نمک پھانکتا ہے۔“

وہ خاموش ہو گئیں ”اب آپ سے کون بحث کرے لیکن آنا پڑے گاروڑ آنا پڑے گا
سمجھے آپ ورنہ۔“

”ورنہ کیا؟“ ایلی نے پوچھا

”ورنہ کیا بتایا نہیں جاتا عمل میں لایا جاتا ہے،“ آپابولی

اس وقت اوپر سے الیسی آواز آئی جیسے کسی نے بڑا سا برتن دیوار سے دے مارا ہو۔

”یہ کیا تم باتی؟“ آپ نے پوچھا

”معلوم نہیں“ باتی نے کہا ”میں دیکھتی ہوں ابھی آئی“ کہہ کر وہ دبے پاؤں
سیڑھیاں چڑھنے لگیں

ایلی باہر کھڑکی سے جھانک رہا تھا کہ بابر قرآنی نہیں

دفعتا! آپ نے پیچھے کے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

”ارے“ ایلی چلایا

”خاموش کھڑے رہیے“ آپ انہیں کربولی

”لیکن یہ کیا ہے“ ایلی نے بھجوالے بن کر لہا

”کچھ نہیں صرف آپ کو آنے کا مطلب سمجھا رہی ہوں“

”لیکن میں تو کچھ بھی نہیں سمجھا رہا“ ایلی نے کہا

”یہ اور بھی اچھا ہے“ وہ بولی

”مجھے تو ایسے معلوم ہو رہا ہے جیسے اپنا ہولڈ اپ ہو گیا ہو۔ لیکن میری کمر میں دو
پستول کی نالیاں رکھنے کا مطلب؟“

”خاموش“ وہ ہنسنے ہوئی بولی اور اس نے اپنے دونوں ہاتھوں ایلی کے منہ پر رکھ
دیئے۔

دیر تک وہ دونوں خاموش کھڑے رہے۔

پھر سیڑھیوں سے باتی کی آواز سنائی دی ”آپ جلدی آو جلدی!“

اس نے ایلی کو زور سے بھینچا

”کل ضرور آئیے گا“ وہ بولی ”ضرور“

”اور اگر ناؤں تو؟“ ایلی نے کہا

”کیسے ناؤں میں گے آپ“ وہ بولی ”ناؤں تو میں خود ناؤں گھر ناؤں گی“

”اتنی جرات“ ایلی نے کہا

”اس سے بھی زیادہ“ وہ بولی آپ نے سمجھا کیا ہے؟

”میں تو صرف یہ سمجھتا ہوں کہ ایک خوبصورت شوخ رنگیں اور دست دراز لڑکی“

”دست دراز اچھا تو یہ لیجئے“ اس نے پیارے ایلی کے منہ پر چپت ماری ”ضرور

آئے گا“ اور پھر سیر صیاب چڑھنے لگی۔ ایلی نے لپک کر اس کا دوپٹہ کھینچ لیا۔

”یہ کیا بد تیزی ہے؟“ وہ بولی

”بد تیزی نہیں ضرورت ہے میں اس کے رومال بناؤں گا“

”اچھا“ وہ بھی ”تو بناؤ لیجئے“ اور سیر ہیوں میں گم ہو گئی۔

سارا دن ایلی سوچتا رہا اس سے سمجھے میں نہیں آتا تھا کہ وہ رومان کا سکھیل جو قفر یا
شروع ہوا تھا۔ یکدم کہیں کروٹے لے لیا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کون تھیں وہ
تو ان کے ناموں سے بھی واقف نہ تھا اس نے کبھی مرتبہ ان سے پوچھا تھا۔

”اپنانام تو بتا دیجئے“ اور جواب میں انہوں نے کہا تھا

”نام سے کیا فرق پڑتا ہے، جی کچھ سمجھلو“

صرف یہ سمجھا ہوں کہ تم میں ایک ہاں جی ہے اور ایک نہ جی اب یہ تم خود فیصلہ کر لو
کہ ہاں جی کون ہے اور نہ جی کون

سارا دن وہ سوچتا رہا تھا کہ اس ڈرامے میں جو سفید منزل کے زینے میں کھیلا جا رہا
تھا اس کا کروار کیا تھا۔ وہ ان گوریوں کے کروار کا مترف تھا ان کی جرأت ان کی
علمیت اور رنگی ان کے ادبی ذوق پر متعجب تھا لیکن؟

ایلی اس لیکن کا جواب نہ دے سکتا تھا۔

نیم چھتی میں لیٹئے ہوئے اس طرف کھڑکی میں سے چھوٹی جھانکتی ”لیجئے میں آگئی
ناوگھر میں آگئی۔ آپ سے ملنے کے لئے نہیں ویسے ہی“ اس کے چہرے سے عجیب
سی سرست تازگی اور زندگی کا اظہار ہوتا تھا ”اٹھیے اٹھیے آپ اداں کیوں ہیں؟ یوں
لیٹئے ہوئے ہیں۔ جیسے بھی کچھ ہار کر آئے ہوں۔ آپ نے کچھ بھی نہیں ہارا جنہوں

نے ہارا ہے ان سے پوچھئے،

اس طرف زینے میں شہزاد آکھڑی ہوئی۔ اس کا چہرہ مغموم تھا۔ میں جانتی تھی، یہی انجام ہو گا اور ہوجھی کیا سکتا تھا۔ ہماری کہانی ہی ایسی تھی جس کا انجام نہیں ہو سکتا چلو اچھا ہوا تمہیں مناسب ساتھ مل گیا۔
ایلی گھبرا کر انھوں نے بیٹھتا اور پھر سونج میں پڑ جاتا۔

گھڑی نے نوبجاءے تو وہ چوز کا اور پھر سوچ سمجھے بغیر اس نے پہلی بار محبت بھرا خاطر لکھا اور اسے پڑھتے وقت پہلی مرتبہ شدت سے محسوس کیا کہ اس کے دل میں کس قدر جذبات اب رہے تھے۔ خط لکھ کر اس نے اس کا گولہ سا بنا کر اپنی جیب میں ڈال لیا اور پھر لیٹ گیا۔
اس رات جب وہ سفید منزل میں داخل ہوا تو اس کیلی چھوٹی موجودتی۔

”تم اس کیلی ہو کیا؟“ ایلی نے پوچھا
”ہاں“ وہ بولی باجی کی طبیعت اچھی نہیں
نہ جانے کیوں یہ سن کر ایلی گھبرا گیا۔

”کیوں آپ ڈرتے ہیں؟“ وہ بولی
”ہاں“ ایلی نے کہا ”تم نہیں جانتی کہ میں تم سے کتنا ڈرتا ہوں۔ میں تمہارے حسن سے نہیں ڈرتا تمہارے جسم سے نہیں ڈرتا“ ایلی کی آواز بھرائی ”میں تمہاری نگاہ کرم سے ڈرتا ہوں، میں تمہاری رنگیں سے ڈرتا ہوں میں تمہاری جرأت سے ڈرتا ہوں۔“

”آپ عجیب باتیں کرتے ہیں“ وہ ہنسنے لگی
”ہاں“ وہ بولا ”سچی باتیں عجیب معلوم ہوتی ہیں ہم سچ سے اس قدر بیگانہ ہو چکے ہیں۔“

”چھوڑیے ان فلسفوں کو“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی ”کوئی ہنسی خوشی کی بات سمجھے“

”آج مجھے بھی باقی کہہ لینے وو پھر شاید کبھی موقعہ نہ ملے“ ایلی کے انداز میں اس قدر تاثر تھا کہ وہ خاموش بہت بنے کھڑی رہی۔

”تم سمجھتی ہو کہ میں مسخر ہوں،“ وہ بولا ”مسخر اپن تو خفت مٹانے کے لئے تھا۔

میرے بال سنہرے نہیں نہ اس نے میر انگریزی میں لکھا۔

”خاموش ہو جائیے،“ وہ جیخ کر بولی ”خاموش ورنہ میں منہ پر ہاتھ رکھ دوں گی“

”منہ پر ہاتھ رکھنے سے دل کی بات تو نہیں کلتی،“ ایلی نے کہا۔

”ہم نہیں سنتے اپنے دل کی بات،“ وہ بولی۔

ایلی نے اپنے دونوں ہاتھوں کے شانوں پر رکھ دیئے۔

”اچھا نہ سنو،“

دیر تک وہ دونوں خاموش کھڑے رہے۔

”کوئی بات سمجھے نا،“ وہ چالا۔

”کرو تو رہا ہوں،“ ایلی نے کہا۔

”کہاں آپ تو خاموش کھڑے ہیں،“ وہ بولی۔

”یہ خاموشی بھی تو اک اظہار ہے،“ وہ بولا ”میرا منہ ہند کر دو گی تو میرے ہاتھ بولیں گے“

”یہ تو ساکت پڑے ہیں،“ اس نے ایلی کے دونوں ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔

”یہ تو ساکت پڑے ہیں،“ اس نے ایلی کے دونوں ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔

”یا اپنے ہاتھاٹھاٹو،“ وہ بولا۔

”کیوں؟“

”یہ مجھ سے باقی کرتے ہیں اور پھر سارا دن گھر بیٹھے ہوئے مجھے ان کی باقی میاد

آتی ہیں۔“

”آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں،“ وہ چلائی اس کی آواز میں بلا کا اضطراب تھا۔

تم کہو گی تم پر بھی ایک ہی دن سوار ہے۔“

”نہیں نہیں“ وہ چلائی

”جیسے نہرے بالوں کے بارے میں کہتی تھی،“ ایلی نے کہا۔ مجھ کو بھی ڈانٹ ڈپٹ کرونا۔“

”نہیں تو،“ وہ تر پڑ گیا۔ آپ تو یہے ہی اچھے ہیں۔ جمال صاحب کی بات اور ہے۔“

”وہ تو مجھے معلوم ہے،“ ایلی نے طرف پھر اتیر چلا یاد 2002ء

”ہائے اللہ کیا آپ مجھے معاف نہ کریں گے۔ جمال تو یہ سمجھتے ہیں۔ جیسے ہم دو لذو ہوں،“ وہ ہنسنے لگی۔ اور وہ سوچتے ہیں کہ کس طرح منہ میں ڈال لوں۔ سگرٹ پیسیں گے آپ،“ غالباً وہ بات بد لئے کرنے کے لئے کہنے لگی۔

سلگا سگریٹ

”ہاں،“ ایلی نے کہا۔ ”پیوں گا بشر طیکہ تم سلگا کر دو۔“

”یہ کیا ضد ہے آپ ہر مرتبہ یہی کہتے ہیں۔“

”ضد تو نہیں“ ایلی نے کہا۔ ”درخواست ہے۔“

”یہ کبھی ہو سکتا ہے کیا؟“

”کیا نہیں ہو سکتا،“ وہ بولا

”بہت زعم ہے آپ کو۔“

”جی ہے۔“

”تو پی کر دکھائیں وہ سگریٹ جو میں نے سلگایا ہو۔“ وہ ہنسنے لگی۔

”مجھ سے ضدنہ سمجھے میں بہت ضدی ہوں،“ ایلی نے کہا۔

”دیکھیں“ وہ بولی

”اچھا“ وہ بیٹھ گیا ”اب یہاں سے اس وقت انھوں گا جب آپ کا سلگایا ہوا سگرٹ میرے ہاتھ میں ہو گا“

”چلنے یونہی ہی“ وہ جوش میں آگئی تو تجھے میں چلی خدا حافظ“ یہ کہہ کرو وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اب بھی مان جاؤ ضد چھوڑ دو“ وہ سیڑھیوں سے بولی

”سگرٹ سلاکا و تجھے“ ایلی نے کہا
کچھ دیر تک اس کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی رہی پھر خاموشی چھا گئی۔ ایلی

چپ چاپ بیٹھا رہا۔ اس کے دل میں بیٹھا تھا
پہلے تو اسے امید تھی کہ وہ بھی لوٹ آئے گی۔ آخر وہ ان کے مکان میں بیٹھا تھا

اور اس کا تحفظ ان کے ذمہ داری تھی۔ اس لئے وہ طمینان سے بیٹھا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے دل میں شکوک پیدا ہونا شروع ہو گئے اگر وہ نہ آئی تو اگر کوئی پاٹ

استعمال کرنے کے لئے اس کرے میں آگیا تو
ایلی بنیادی طور پر بے حد ڈرپوک واقع ہوا تھا۔ لیکن کبھی اس کی زندگی میں ایسے

موقع بھی آتے تھے۔ جب وہ نتائج سے لاپرواہ کرائی حد تک نذر ہو جاتا تھا، جس حد تک بنیادی طور پر وہ ڈرپوک تھا۔

کچھ دیر تک وہ بے حد متذبذب رہا پھر اس نے اپنا دل کڑا کر لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس روز وہ اپنی بات منوانے میں ناکام رہا تو آپ کے دل میں اس کے لئے تحریر کا جذبہ پیدا کرنے کی لئے وہ تیار نہ تھا۔ وہ اس بات سے خالف تھا کہ وہ کیا کہے گی۔ آہستہ آہستہ یہ ڈرحاوی ہوتا گیا فوراً کسی کے آجائے کا خوف مدد ہم پڑتا گیا حتیٰ کہ وہ وہاں یوں بیٹھا تھا جیسے سفید منزل نہیں بلکہ نیم چھتی ہو۔

ایک گھنٹہ گز رگیا دو گھنٹے گز رگئے وور کسی مسجد سے پہلی اذان کی آوازن کرو ٹھنڈھا

ارے وہ سوچنے لگا صحیح ہو گئی۔ پھر چاروں طرف سے موذنوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ گلی میں دروازے کھلنے لگے۔ نمازوں کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔

دفعاً قریب ہی پاؤں کی چاپ سنائی دیکی وہ ٹھنڈھ کا پھر گسی نے دیا سلامی جلائی باجی کو قریب کھڑے دیکھ کر وہ مطمئن ہو گیا۔

”یہ کیا حماقت ہے؟“ باجی نے کہا ”آپ جاتے کیوں نہیں اگر کوئی آگیا تو،“ اس کاپھرہ خوف زدہ ہورتا تھا۔ ”ابھی چلا جاتا ہوں“ وہ بولا ”تو پھر جائیں نا۔ آپ کو ہماری غرضت کا خیال نہیں کیا؟“ وہ بولی ”سلاکا کر سگرٹ پلاو تجھے تو ابھی چلا جاؤں گا“ ایلی نے کہا ”یہ کیا فضولی ضد ہے؟“ وہ غصے میں بولی ”ہے کیا کیا جائے؟“

”لنجھے میں سلاکاے دیتی ہوں سگرٹ“ باجی نے کہا ”اوہ ہوں“ ایلی نے لنفی میں سر ہلا دیا ”کیوں میری سلگی ہوئی پسند نہیں؟“ اس نے عجیب انداز سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

”تم نے ہمارا ایمان نہیں کیا،“ وہ یوں بولا جیسے جتنی ستی یوگی ہو۔ ”ہے میں کیا کروں؟“ وہ چلائی ”اوپر سا وی ضد کئے بیٹھی ہے،“ ”سا وی!“ ایلی نے دہرا دیا ”ہاں!“ گھروالے اسے سادی کہتے ہیں باجی نے کہا ”اور آپ کو مرصع کہتے ہوں گے؟“

”نہیں تو،“ وہ ہنسی ”مجھے تو باجی ہی کہتے ہیں لیکن اب آپ جائیں گے بھی یا نہیں

یہ کیا بچوں کی سی ضد ہے۔“

”پچ کبھی نہیں سمجھا کرتے،“ ایلی نے کہا

”تو پہنچے بھی ہیں،“ وہ بولی

”پینے کے لئے کوئی اور آئے گا،“ وہ بولی ”بچے کوئی آگیا تو سمجھے گا چور ہی“

”تو کہہ دینا ڈاکو ہے چور نہیں“ ایلی بولا

”خدا کے لئے چلے جائیں،“ وہ نتیں کرنے لگی

”سلاکا ہوا سگریٹ، سلاکا ہوا سگریٹ،“ ایلی نے رٹ لگادی

”مان جائیے،“ ایلی نے عزت کی

”سلاکا ہوا سگریٹ،“ ایلی دیامڈی میں مشغول ہو گیا۔

شگ آ کروہ چلی گئی اور ایلی تباہارہ گیا۔

اتفاقاً اس کی نگاہ کھڑکی کی طرف پڑی۔ باہر صبح کی سپیدی پھیلی ہوئی تھی۔

اب اس کا ڈرقطنی طور پر مفتوہ ہو گیا تھا چونکہ اب عزت کا معاملہ تھا اور وہ بھی ایک گوری کے دل میں۔ اس وقت وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ ہر خطرے کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ سفید منزل میں داخل ہو کر چلا چلا کر کہا سکتا ہے میں چور ہوں مجھے پکڑ لوں۔ میں چور ہوں۔

قریب ہی کسی گھڑی نے چھو بجائے۔ وفتا اسے یاد آیا کہ اس کی جیب میں محبت نامہ تھا جو وہ لکھ کر گھر سے لایا تھا۔ جب وہ اس کی تلاشی لیں گے تو خط برآمد ہو جائے گا اور راز کھل جائے گا اس میں گوریوں کی عزت کا سوال ہے۔ نہیں نہیں میں ان کی عزت پر آنج نہ آنے دوں گا۔ اس نے خط کا وہ گولہ جیب سے نکالا اور قریب پڑے کاٹھ کباؤ میں اسے چھپا دیا اور پھر مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔

گھڑی نے سات بجائے وہ اٹھ بیٹھا۔ کھڑکی سے سورج کی شعاعیں اندر داخل ہو رہی تھیں اس نے کھڑکی بند کر دی اور درز سے باہر دیکھنے لگا۔ قبرستان سنان پڑا

تھا۔ گلی میں چند بچے کھیل رہے تھے۔ پر لے بازار میں اکا دکالوں چل پھر رہے تھے۔ دیر تک وہ وہاں کھڑا دیکھتا رہا۔ پاؤں کی آہٹ سن کروہ مژا زینے میں کوئی آرہا تھا۔ وہ جب تک آلتی پاتی مار کر پیٹھ گیا۔

اس کے روپ و ساوی کھڑی مسکن اور ہی تھی۔ آپ بڑے ہٹ دھرم ہیں، وہ بولی

”جو کچھ بھی ہوں خاضر ہے“ اس نے جواب دیا

”اب آپ جائیں گے کس طرح؟“ ساوی نے پوچھا

”جانے کا سامان ہو جائے گوری تو بھکاری چلے جائیں گے“ ایلی نے کہا

”مگر کسی نے دلکشی کیا تو؟“ ساوی بولی

”مجھے گا بھکاری ہے بھکڑا لے لے جا رہا ہے“ ایلی نے جواب دیا

”شکل سے تو بھکاری نہیں دکھتے“ وہ بتق

”ہاں شکل سے تو چور دکھتا ہوں لیکن شکل کون دیکھتا ہے۔“

”آپ بڑے مدرس نظر“ ساوی کی نگاہ میں تحسین جھلک رہی تھی۔

”اونہوں“ ایلی نے کہا ”مقابلہ ایسے مہادیو سے تھا کہ اسے دیکھ کر اپنے میں بھی

کچھ کچھ جرأت پیدا ہو گئی۔“

آپ کی باتوں نے مجھے وہ رک گئی اس کی آواز آبدہ تھی۔

”آپ کے انداز نے مجھے“ وہ بھی رک گیا

”کیا؟“ وہ بولی ”پوری بات کیجھے نا۔“

”مجھے کیا سے کیا کر دیا“ اس نے کہا

”سگریٹ کہاں ہیں؟“ وہ بولی

”مجھے کیا معلوم،“

”میں سارا پیکٹ سلاگا کر دوں گی“ وہ سگریٹ سلاگا نے گلی

”وان کرنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں“ ایلی نے کہا

”چپ کرو جی“ وہ غصے میں بولی اس کا غصہ پیار سے بھیگا ہوا تھا۔

”ساوی“ وہ کچھ دیر کے بعد کہنے لگا

”وہ چونکی“ ساوی! آپ کو کیسے معلوم ہوا؟“

”تمہاری اس دیا کے عوض میں ایک تخفہ پیش کروں“

”دیا“ وہ پتی ”تم تو ہرگے“

”ہاں!“ ایلی نے کہا ”کچھ لوں ہار کر جیت جاتے ہیں اور کچھ“ اس نے آہ بھری ”کچھ جیت کر بھی بار جاتے ہیں۔ تمہارا ہاتھ گہاں ہے؟ وکھاونے“ ساوی نے اپنا یا تھوڑا پھیلا دیا۔ ایلی نے وہ کاغذ کا گولا اٹھا کر اس کے ہاتھ میں رکھا اور پھر مٹھی بند کر دی۔ ”مگر بتراست، وہ بولا“

”یہ لیجئے اپنے سگریت“ وہ بولی ”اب آپ جائیں۔ لیکن آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ پھر نایا سمجھے گا کبھی وعدہ کرو“

”کیوں؟“ وہ بولا

”میں بہت ضدی ہوں“ ساوی نے کہا اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے ”مجھے ذر ہے کہ“ اس نے مسکرانے کی کوشش کی ”وعدہ سمجھے“

” وعدہ کرتا ہوں“ وہ بولا

”تو خدا حافظ“

”نہیں“ ایلی نے کہا ”تم جاؤ پھر میں باہر نکلوں گا“

”نہیں“ ساوی نے کہا ”اگر کچھ ہو گیا تو میں قریب تو ہوں گی“

”نہیں“ ایلی نے کہا ”تم اپر جنگلے میں جا کر کھڑی ہو جاؤ“

”نہیں“ وہ چلا کی ”پھر وہی ضد“

”اچھا“ وہ اٹھ بیٹھا۔ وہ اس کے قریب تر ہو گئی۔

ایلی چپ چاپ باہر لکلا کچھ دیر دروازے میں رکا۔ وہ وہاں سے یوں اطمینان

سے لکا جیسے اس کا اپنا گھر ہو۔ پھر خرام اس خراماں گلی میں چل پڑا۔ دروازے کی درز
میں سے ایک پنجم آنکھ اسے دیکھ رہی تھی۔

رنگی سادی

اس سلے ہوئے سگر بیٹ نے گویا آگ لکا دی اور اس گولے ختنے اس پر بارود
چھڑک دیا۔ انگے روزا یلی کے سامنے سادی کا خط پڑا تھا۔ ایسا خط پہلے انہیں کبھی
وصول نہ ہوا تھا وہ خط سولہ صفحات پر مشتمل تھا جس میں سادی نے بھی کچھ شامل کر
دیا تھا۔ کوئی بات تھی جو رہائشی تھی۔ کبھی وہ اسے چھیرتی، مذاق کرتی، کبھی بہلاتی
پھلاتی، کبھی جرات دلاتی کبھی تعریف کرتی کبھی غصتی ہنساتی کبھی روئی رلاتی۔ وہ
خط ایک کائنات تھی جسے پوچھ کر رایلی ساکت و جامد رہ گیا تھا وہ محسوس کر رہا تھا۔ جیسے
ایک طوفانی رو بہہ رہی تھی۔ لیکن جھوٹا جھوارہ ہی تھیں۔ تپھیرے مارتی تھیں بڑھتی
تھیں۔ سمعتی تھیں ساکن ہو جاتی تھیں۔

خط پڑھ کر وہ شرابور ہو گیا۔ حیر کس قدر بر جستہ اور بے تکان تھی اشعار کس قدر
موزوں اور بلند پایہ تھے۔ اشارے کس قدر رنگیں اور لطیف تھے بات سے بات تکنی
تھی اور ہر بات کی اوٹ میں وہ ان کی بات چھپی تھی جوان کے نئے تعلق کی مظہر
تھی۔ بات بات میں وہ ان کی بات عیاں تھی واضح تھی اجاءگر تھی۔ اس حد تک واضح
ہو جاتی تھی کہ کیا بات پس پشت پڑ جاتی۔

سارا دن وہ اس خط کے سمندر میں ڈبلکیاں کھاتا رہتا رات کو وہ اس شوخ مگر خود
دار شخصیت میں ڈوبا رہتا اور انگلے روزا یک نیا خط اس کے سامنے پڑا ہوتا۔

رات کو جب باجی اور ساوی دونوں موجود ہوتیں تو وہ باجی کے شانوں پر ہاتھ رکھ
کر کھڑا ہو جاتا اور باجی سے مخاطب ہو کر کنایہ کی مدد سے سادی سے باقیں کرتا۔ وہ
مزاح کے پردے میں آنسو بہاتا حاضر جوابی کی اوٹ میں اپنے گنگے پن کا دکھڑا رہتا
اور سادی اس کی ہر بات کو پا جاتی اور اس کے قریب ہوتے ہوئے تڑپتی، ماہجی بے

آپ کی طرح تڑپتی اور پھر جیخ کر کہتی آپ باتیں نہ کریں۔ لیکن اس کے اضطراب کا باجی پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ وہ محسوس کرتا کہ اس کے ہاتھوں تلے باجی پکھل کر چھلک رہی ہے۔ اس کی اس چھٹکن کی وجہ سے ایلی پر چھینٹے پڑتے جو اس کے لئے مشکلات پیدا کر دیتے ہیں۔ باجی چھلک چھلک کر ہار جاتی اور اس پر جھاگ آ جاتا اور پھر وہ محروم نگاہوں سے ان دو لوگوں کی طرف دیکھتی اور اس کی نگاہیں اور بھی ادا سن ہو جاتیں۔

”آپ میری باجی کو ٹھنک کر رہے ہیں“ ساوی قریب تر آ جاتی ”چھوڑ دیجئے باجی کو یہ بہت بڑے ہیں باجی ان کی باتوں میں نہ آ کوئہ ان کی باتیں نہ سنو۔ ورنہ تم پانی ہو کر بہہ جاؤ گی۔ یہ وہ تیر کر کل جائیں گے۔ یہ ڈوبتے نہیں“

”ہاں!“ ایلی نے کہا ”میں ڈوبتا نہیں بلکہ ڈوبے جاتا ہوں، ڈوبے جاتا ہوں۔“
ڈوب جاؤں تو کتنا چھا ہو۔“

”پھر وہی باتیں“ ساوی چلاتی اور پھر بات کا رخداد لئے کے لئے کچھ نہ کچھ کہہ دیتی۔

”باجی آپ نے انہیں میرا نام کیوں بتایا؟“
ایلی جواب دیتا ”ہاں تم بھی انتقام لو باجی سے تم اس کا نام بتا دو مجھے“
ساوی نہستی ”کتنے چالاک ہیں آپ“

”ساوی کیا نام ہے؟“ ایلی چلایا
”مجھے بہت پسند ہے“ ساوی نہ کہتی

”مجھے نہیں“ ایلی منہ بنادیتا
”کیوں؟“

”غلط نام ہے“

”غلط کیسے؟“

”رُنگی ہونا چاہئے۔ رُنگی کو ساوی کہیں دیکھ کر اپنے،“ ایلی قہقہہ مار کر کہتا
اس طرح وہ بچوں کی طرح باتیں کرتے رہتے۔

اور اگر ساوی اکیلی آتی تو ایلی کو پسینہ آ جاتا۔ سمجھ میں نہ آتا کہ کیا کہے۔

اس کی آواز میں وہ بے پرواں بے نیازی ختم ہو جاتی اور وہ بھیکی بھیگی آواز میں یوں

ادھورے جملے بولے جاتا جیسے لکنت کامر یعنیں ہو۔

”ساوی جمال آئے کافو“

”تو کیا؟“

”تو کیا ہو گا؟“

”کچھ بھی نہیں با جی بڑی بنتا ہے اس کا انتظار کر رہی ہیں“

”تم اور با جی اس قدر مختلف کیوں ہو؟“

”کیسے؟“

”تم نہیں ہو وہ بہا جی“

”میری با جی ایسی نہیں،“ وہ غصے میں بولی ”میں آپ کی سب باتیں سمجھتی ہوں“

”چلو کوئی ہمدرد تو ملا“

”ہمدرد؟“ وہ چلاتی

”تو کیا ہو تم؟“

”آپ نہیں جانتے آپ نہیں سمجھتے نہیں سمجھ سکتے؟“ ساوی چیختی

”معمر ہو،“ ایلی پوچھتا

”نہیں،“

”تو پھر،“

”بس کہہ جو دیا آپ نہیں سمجھتے“

”تو سمجھا دیجئے،“

”اس گھر کی ہر موم بھی دونوں سروں پر جلتی ہے، ساوی مسکرا کر کھتی
”تو کیا یہاں دیوالی ہے؟“

”ہاں ہر سے دیوالی ہے میرنے ہنستے چہرے پر نہ بھولے“
”تو کیا آپ روتی ہیں؟“

”مجھے نہ سوئے بہانا نہیں آتا۔ آنسو بہانا نہیں آتا۔“

”تو پھر“
”بند کیجئے اس موضوع کو۔ آپ نہیں سمجھ سکیں گے“

”تو سمجھ کر رکنا ہی کیا ہے؟ ایلی کہتا تو تم ہو اور یہی کافی ہے“

پھر وہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتی اور ایلی چلاتا تھا جن جھن جھن جھن

واپسی

آٹھ روز کے بعد جب ایک روز ایلی نیم چھتی میں بیٹھا سادی کا تازہ خط پڑھ رہا
تھا فجعاً اس نے نگاہ اٹھائی زینے میں جمال کھڑا تھا۔ جمال کو دیکھ کر وہ بھونچ کارہ گیا
وہ آٹھ دنوں میں جمال کے وجود ہی کو بھول چکا تھا۔

جمال نے آتے ہی کئی ایک سوالات کر دیے

”بتاب قیاران کا حال کیا ہے۔ لیکن تم تو صرف ایک بار اطلاع دینے گئے ہو گے“
انتظار کر رہی ہوں گی۔ کوئی بھی پہلوتی ہوں گی دیکھنے کے لئے کہ آیا ہے یا نہیں اور تم
تو بر ساتی میں جاتے ہی نہیں، تمہیں کیا معلوم کوئی چھٹھی آئی ہے کیا۔ لیکن چھٹھی کیسے
آئی میں تو گیا ہوا تھا۔ یا مریا جی تو چاہتا تھا کہ جلدی لوٹ آؤں لیکن کیا کرتا وہ مجھے
آنے نہیں دیتی تھی میری بیوی اور تم جانتے ہو مجھے اپنی بیوی سے عشق ہے ایمان
۔۔۔

جمال کی باتیں سن کر ایلی محسوس کر رہا تھا جیسے وہ مجرم ہو۔ جیسے اس نے ایک بچے کو

دھوکا دیا ہو۔ وہ چپ چاپ اس کی باتیں سنتا رہا اور مختصر جواب دیتا رہا۔

”آؤنا، آؤنا“ جمال چلانے لگا ”وہاں بر ساتی میں بیٹھ کر با تیں کریں گے۔ ذرا دیکھو تو شاید وہ سامنے آئی ہوں۔ انہیں تسلی ہو جائے گی کہ میں آگیا ہوں“

بر ساتی میں پہنچ کر جمال کھڑکیوں کے سامنے کھڑا ہو گیا اور ایلی ایک کونے میں چار پاپی پر بیٹھ گیا۔ ایلی بھی کھڑکیوں میں نہ کھڑا ہوا تھا۔ دو ایک بار انہوں نے کہا بھی تھا ”آپ سامنے کیوں نہیں آتے اپنی بر ساتی میں“ اس نے کہا تھا ”ایک بار جو آیا تھا“ ”ہے اللہ“ اس پر بحادی یوں ترپی تھی۔ جیسے آتش بازی کو آگ دکھادی گئی ہو۔ درحقیقت ایلی وہاں کھڑے ہو کر اشارے کرنے کے خلاف تھا۔ اس لئے کہ اسے ڈرتا تھا کہ انہیں نہ کھڑ کا اولیٰ لڑکا کیا تھا۔ وہ جاہ سے ڈرتا تھا۔ جاہ کو معلوم ہو گیا تو وہ کہے گا ”ہاں بھی یہ بھی ایک فن ہے اور اگر ایلی کو یہ فن پسند ہے تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں ذرا یہ سستا کام ہے میرا مطلب ہے چیپ ہے“ ایلی اس جملے اور نگاہ سے ڈرتا تھا اس کے علاوہ جب روز ملاقات ہوتی تھی اور وہ باتوں کے ذریعے اپنی نمائش کر سکتا تھا تو دور کھڑی ہو کر بے کار اشارے کرنے سے اسے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ اس کے بر عکس جمال کو یہ شغل اس لئے پسند تھا کہ وہاں کھڑے ہو کر اسے بات کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی اس لئے وہ روز بانا فر بر ساتی میں حاضری دیا کرتا تھا۔

”انہوں اس دھوپ میں بھلا کون آتا ہے کوٹھے پر“ وہ چلایا ”اور یا راب پھر دھند لکھ کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ پہلے تو مشق ہو گئی تھی نااب آٹھ روز کے وقفے کے بعد پھر وہی روز اول والی بات ہے۔“

تمین بجے کے قریب جمال دوڑتا ہوا نیم چھتی میں داخل ہوا اس کے باچھیں کھلی ہوئی تھیں منہ پر سرخی پھیلی ہوئی تھی۔

”یا را ایلی انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ میں آگیا ہوں۔ ایک کو پتہ چلا تو وہ بھاگی

دوسرا کو خبر دینے کے لئے اور پھر وہ دونوں آگئیں میں نے سلام کیا بہت خوش ہو گئیں مجھے دیکھ کر آج رات کو بڑا مزار ہے گا۔ میں پھر جاتا ہوں وہاں شاید وہ پھر آئیں۔“

مسدود را ہیں

آدھے گھنٹے کے بعد وہ پھر نیم چھتی میں آیا۔ اس کارنگ زر دھنا۔ بازو لٹک رہے تھے۔

”یارا میں غصب ہو گیا۔ میں وہاں کیا تو سامنے کوئی بیٹھی تھی۔ میں نے سمجھا انہیں میں سے ایک ہو گی میں تے اشارے کرنے شروع کر دیئے وہ بھی اشارے کرتی رہی۔ پھر دھنٹا اس نے دوپٹہ اتار کر ہو دیا اور پیپے سے سوت والا ایک نوجوان نکل آیا غالباً ان کا بھائی ہو گا۔ اب کیا ہو گا یارا میں بتاؤ نا؟“

”مجھے کیا معلوم،“

رات کو وہ دونوں نیم چھتی میں بیٹھے روشنی کا انتظار کرتے رہے۔ تین بجے کے قریب ان پر ما یوی چھانے لگی اور ساڑھے تین بجے جمال کرسی میں بیٹھا بیٹھا سو گیا لیکن ایلی چپ چاپ سفید منزل کی طرف گلکلی باندھے بیٹھا رہا۔ وہ غم یا ما یوی محسوس نہیں کر رہا تھا۔ کچھ بھی محسوس نہ کر رہا تھا۔ اس کا ذہن قطعی پر خالی تھا کھڑکی میں سادی نہ سرہی تھی ”کوئی بات کیجئے نا۔ آپ تو اتنی باتیں کیا کرتے ہیں“ زینے میں شہزاد کھڑی کہہ رہی تھی ”نہیں میں تو کچھ نہیں کہتی“ درمیان میں جمال آرام کرسی پر پڑا خالی لے رہا تھا۔

اگلے روز سفید منزل کے چوبارے میں مزدور کام کر رہے تھے۔ میرھیوں والی دیوار میں جو اینٹوں کے جنگلے بننے ہوئے تھے۔ جن کی وجہ سے میرھیوں کا دروازہ کھلنے پر ناؤ گھر سے سفید منزل کے چوبارے کا ایک حصہ دکھائی دیتا تھا۔ انہیں سیمنٹ سے پر کیا جا رہا تھا۔

”ایلی ایلی“ جمال چلانے لگا ”یہ دیکھا تم نے وہ جنگلے بند کر دیئے ہیں معلوم ہوتا ہے معاملہ دور تک پہنچ گیا ہے۔“

”ہوں“ ایلی نے کھڑکی کی درز سے دیکھتے ہوئے کہا پھر وہ دونوں دری تک خاموش کھڑے رہے پھر جمال بولا۔

”لیکن شاید ملاقات پر پابندی نہ لگے گھر والوں کو اس کا علم تو نہیں ہوا ہو گا۔ اور ایلی خط تو وہ بھیجیں گی۔ ضرور بھیجیں گی“

جب جمدادارن آئی تو ایلی نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں بلکہ ماتھے پر وہی پرانی تین پڑی تھی۔ اس نے فوراً محسوس کر لیا کہ اب خط و کتابت ممکن نہ ہو گی۔ کچھ دیر کے بعد جمال آیا۔

”یاروہ جمدادارن تو بات ہی نہیں ارتقی۔ کہتی تھی نہ بابو جی وہاں ان کے گھر میں تو فاد پڑا ہوا ہے۔ لڑکی کو دورے پڑ رہے ہیں۔ دورے میں لڑکی کی ہاتھ پاؤں مژ جاتے ہیں اب بتاؤ؟“

جمال نے پوچھا

ان حالات کے باوجود وہ دل ہی دل میں امید رچائے بیٹھے رہے کہ شاید کوئی صورت پیدا ہو جائے شاید وہ کوئی ترکیب لڑائیں۔ ایک ہفتہ گزر گیا۔ عید آگئی لیکن گوریوں کی طرف سے نہ کوئی پیغام موصول ہوا اور نہ ہی سفید منزل میں کسی جگہ ان کی جھلک دکھائی دی۔

جمال کو اس بات کا قلق ضرور تھا کہ ایک دچپی کی صورت ختم ہو گئی اس کے علاوہ اسے کوئی دکھنہ ہوا۔

جس روز وہ واقعہ رونما ہوا تھا جس کی وجہ سے ان کا سلسلہ ملاقات ٹوٹ گیا تھا۔ اس روز ایلی نے محسوس کیا تھا۔ جیسے وہ خالی الذہن ہو پھر حسب عادت دکھ بوند بوند اس کے دل میں بھرتا گیا۔ دنیا ویران ہوتی گئی۔ چیزیں مفہوم سے خالی ہوتی گئیں

مناظر دھنڈ لے پڑتے گئے اور لوگ یوں گھومتے پھرتے دکھائی دینے لگے۔ جیسے ویرانے میں بھوت پریت چل پھر رہے ہوں۔

وہ محسوس کر رہا تھا جیسے اس نے کوئی نعمت عظیمی کھودی ہو۔ جیسے امید کی کرن گم ہو گئی ہو تعجب کی بات تھی کہ ایلی کو سعادتی سے وہ محبت پیدا نہ ہوئی تھی جس میں آرزو کا غصہ ہوتا ہے۔ اسے اس کی شخصیت کی عظمت کا بے پناہ احساس تھا۔ اس کی رنگیں باقی میں اس کا ادبی ذوق اس کی بے پناہ جرأت ساوی سے محروم ہو جانے پر وہ محسوس کر رہا تھا۔ جیسے وہ دنیا کی تمام اچھی چیزوں سے محروم کر دیا گیا ہو۔ جیسے لطافت ختم ہو گئی ہو اور صرف دھنڈلی کشافت باقی رہ گئی ہو۔ ایلی نے سمجھی یہ آرزو محسوس نہ کی تھی کہ وہ ساوی کو آغوش میں لے یا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لے یا اس سے حسن کی بھیک مانگے یا ملاپ کی خواہش کرے۔

ایلی روز ساوی کے خط انکال لیتا اور انہیں پڑھتا۔ بار بار پڑھتا اور پھر حیرت میں ڈوب جاتا۔ نہ جانے یہ لڑکی کون ہے۔ نہ جانے وہ لوگ کتنے اونچے ہوں گے نہ جانے پھر وہ شدت سے کمتری کا جذبہ محسوس کرتا۔ نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہمارا میل ہو سکے اور ہو بھی جائے تو وہ جلد مجھ سے اکتا جائے گی۔ مجھ میں ہے ہی کیا جواتی ہڑی شخصیت کو جذب کر سکوں۔ ایلی نے ساوی کو بھی عورت کی حیثیت سے ندیکھا تھا اور نہ ہی اس کی آرزو کی تھی۔

اس نے ایلی کا غم عجیب سا تھا۔ ایسا غم جو اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ یہ محسوس نہیں کرتا تھا جیسے کھو گیا ہو بلکہ جیسے کچھ کھو دیا ہو جیسے روشنی کی کرن بھجو گئی تھی۔ جیسے رنگ ختم ہو گئے تھے اور محض ایک خاکستری دھنڈا کا باقی رہ گیا تھا۔

وہ روز کے بعد جمال کے نام پھر ایک تارا گیا۔ لکھا تھا ”فورا پہنچے“
”کیا بات ہے؟“ ایلی نے جمال سے پوچھا ”یہ کیسا بلاوا ہے؟“
”بچہ ہونے والا ہے۔“ جمال ہنسنے لگا ”میں کہہ آیا تھا مجھے تاروے دینا“

جمال کے جانے کے ایک دن بعد ایلی کوڈاک سے ایک خط موصول ہوا۔

اس نے اس لئے خط کو کچھا ہمیت نہ دی۔ پتہ نام انوس خط میں لکھا ہوا تھا۔ نہ جانے کس کا خط ہے اس نے سوچا۔ طرز تحریر جانی پچانی سے تھی لیکن دراصل اسے یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ سادی اسے ڈاک کے ذریعے بھی خط لکھ سکتی ہے۔

لفافہ چاک کر کے اس نے خط باہر نکالا تو دنھڑا حیرت سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور سادی کا خط لکھا تھا:

”گھروالوں کو پتہ چل گیا ہے۔ ملاقات کے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے ہیں۔ اب میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ سوموار لوگوں کے دو بجے اسی جگہ میرا انتظار کریجئے اور مجھے ساتھ لے جائیے اگر آپ نے اسے تو ضرور آئیے گا ضرور ورنہ“

ایک کونے میں جلدی میں چند الفاظ لکھتے تھے

”جس روز آپ کو یہ خط ملے اسی روز رات کو بارہ سے ایک بجے تک اپنی بر ساتی کی بقیٰ جلانے رکھنے تاکہ مجھے علم ہو جائے کہ آپ کو میرا خط مل گیا ہے۔ وہ بتی ہمارے بزر جنگل سے دکھائی دیتی ہی۔“

خط پڑھ کر ایلی سن رہ گیا۔ اس کا ذہن پھر سے ایک خلا میں تبدیل ہو گیا۔ وہ اٹھ بیٹھا اور پھر بر ساتی میں اوہر سے اوہر، اوہر سے اوہر گھونمنے لگا۔ پھر وہ باہر نکل گیا۔ سارا دن وہ آوارہ گھومتا رہا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ وہ کون ہے کہاں جا رہا ہے۔ کس وجہ سے سر گردان ہے۔ اسے سادی کا بھی خیال نہ رہا تھا۔ وہ بھول چکا تھا کہ سوموار کو رات کے دو بجے اسے بلا یا گیا ہے اور اسے کسی کو ساتھ لے کر چلے جانا ہے نہ جانے کہاں چلے جانا ہے کیسے چلے جانا ہے مگر چلے جانا ہے ورنہ۔

اس کے ذہن میں کوئی بات نہ تھی کوئی فکر نہ تھا کوئی پریشانی نہ تھی۔ البتہ وہ بذات خود پریشان تھا۔ اس کی شخصیت گویا بکھر گئی تھی۔ شورش ہو چکا تھا۔ وہ دیکھتا تھا لیکن

سمجھتا نہ تھا۔ بلکہ اس کی دیکھنے کی قوت و حند لائی ہوئی تھی۔ کان بند ہو چکے تھے۔ وہ ایک مدھم مگر مسلسل شور سن رہا تھا۔ جیسے لکھیاں بھجنہ رہی ہوں۔ جیسے ساوی کا نات مکھیوں کے ایک عظیم چھتے میں تبدیل ہو گئی۔

دو پہر کے وقت وہ ایک ویرانہ مرٹک پر چل رہا تھا۔ پھر شام کو اس نے دیکھا کہ وہ باغ میں ایک نقش پر بیٹھا ہے۔ پھر وہ مرٹک کے عین درمیان میں کھڑا تھا۔ ایک موڑ کے قریب کھڑا تھا اور ارد گرد چند لوگ کھڑے تھے۔

بخشی بخاری

پھر وہ شخص اس سے کچھ پوچھ رہے تھے اور چوک میں کھڑا اپا ہی اس کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ لمبا شخص اس کے اوپر جھکا ہوا تھا
”تم الیاس ہو؟“ وہ پوچھار رہا تھا۔

الیاس ایلی کو وہ لفظ کچھ مانوس سامعلوم ہو رہا تھا۔ ہاں الیاس ایلی علی پور کا ایلی وہ اپنی آپ سے کہہ رہا تھا۔

”چلو، لمحنا شخص بولا“ سامنے چائے کی دوکان میں بیٹھ کر بات کریں گے۔“

وہ تینوں چل پڑے
ایلی نے غور سے لمبے آدمی کی طرف دیکھا۔ ہاں یہ شخص، اس نے محسوس کیا جیسے اسے کہیں دیکھا ہو۔ لیکن کوشش کے باوجود وہ سمجھنے کا کوہ کون تھا۔

”مجھے جانتے ہونا“، لمبے آدمی نے مسکرا کر کہا

”ہاں!“ ایلی نے سر ہلا�ا۔ لیکن اس کا ذہن سر کے اشارے سے پیگانہ رہا“ میں ناوجھر میں کئی بار گیا ہوں“

”ناوجھر“ ایلی کے ذہن میں روشنی کی ایک اور کرن بھملائی ”میں جاہ کا دوست ہوں“ لمبا آدمی بولا

جاہ ایک اور کرن

”مجھے جانتے ہونا“ لمبے آدمی نے دہرایا۔

”ہاں“ ایلی نے کہا ”جانتا ہوں“ لیکن اس کی نگاہیں اسے جھٹلا رہی تھیں۔

”خوبیں نہیں“ چھوٹے آدمی نے اشارہ کیا ”ابھی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ابھی ہوش میں نہیں“

”تم نے پچھا استعمال تو نہیں کیا؟“ لمبے آدمی نے ایلی سے پوچھا

”استعمال“ ایلی نے پچھلی بھی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”اوہوں“ چھوٹے آدمی نے اشارہ کیا ”ویسا بات نہیں“

”تمہاری طبیعت تو اچھی ہے؟“ لمبے آدمی نے چائے کی میز پر بیٹھتے ہوئے ایلی سے پوچھا۔

”ہاں نہیں مجھے تو کچھ بھی نہیں کچھ بھی تو نہیں“ ایلی نے اپنے آپ کو چھوڑ کر بات کرنے کی کوشش کی۔

”ہم تمہارے دوست ہیں“ چھوٹا بولا ”میر انام بخشی ہے اور یہ بخاری ہیں“

”ہاں ہاں“ ایلی نے سر ہلایا ”اور یہ کیا ہے؟“ بخشی نے پوچھا

”یہ“ ایلی نے پہلی مرتبہ اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک کاغذ تھا جسے وہ ان جانے میں مروڑ رہا تھا ”یہ“ ایلی نے کہا ”یہ تو کاغذ ہے۔ اس نے وہ کاغذ بخاری کو دیتے ہوئے کچھ اس انداز میں کہا جیسے انہیں دکھانا چاہتا ہو کہ واقعی وہ کاغذ ہے اور ان پر ثابت کرنا چاہتا ہو کہ اسے کچھ بھی نہیں وہ واقعی طور پر بھول چکا تھا کہ وہ کاغذ سادی کا خط تھا۔“

بخاری نے وہ کاغذ ایلی کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے دیکھنے لگا

”چائے پہنچو،“ بخشی مسکرا یا

ایلی چائے پینے لگا

”اب کیا گھر جاؤ گے؟“ بخشی نے پوچھا

”ہاں“

”تمہیں چھوڑ آئیں؟“

”نہیں میں چلا جاؤں گا،“ ایلی اولاد

”اچھی بات ہے،“ بخشی نے کہا

”تم ذرا نیکھو میں بل دے دوں،“ بخاری نے کہا

”میرے پاس ہیں،“ ایلی نے اپنی جیب کی طرف اشارہ کیا ”میرے پاس ہیں“

”نہیں میں دوں گا،“ بخاری نے مسکرا کر کہا

پھر بخاری نے بخشی کو اشارہ کیا ”ڈر ادھر آتا،“ اور وہ دونوں انہوں کر چلے گئے۔

ایلی کی نگاہوں میں اب چیزیں اور ان کا مفہوم ابھر رہا تھا اور وہ شرمندگی سی محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ سوچ رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد بخشی اور بخاری دونوں واپس آگئے ”چلو ہم بھی تمہاری ساتھ چلیں گے،“ بخاری نے کہا

”نہیں نہیں،“ ایلی نے کہا ”آپ تکلیف نہ کریں،“

”نہیں،“ بخاری نے کہا ”ہم ادھر ہی جا رہے ہیں،“

”اچھا،“ ایلی لا جواب ہو گیا اور تینوں چل پڑے

جب وہ نا گھر کے مقابل میں پہنچا تو فقط ایلی کو یاد آیا اور وہ دیوانہ وار اپنی جیسیں
ٹھوٹنے لگا۔

”کچھ کھو گیا ہے کیا؟“ بخاری نے پوچھا

”ہوٹل میں تم نے ایک کاغذ اس جیب میں ڈالا تھا،“ بخاری نے یہ کہتے ہوئے ایلی کے کوٹ کی اوپر والی جیب میں ہاتھوں کرایک کاغذ نکالا۔

”یہی ہے نا؟“ بخاری نے ایلی سے پوچھا

ایلی نے دیوانہوار سے کھولا۔ دیکھا اور پھر کہنے لگا ”ہاں یہی ہے، اس کی آنکھیں جذبہ شکر گزاری سے پر نم ہو گئیں۔

”اچھا تو ہم کل صبح آئیں گے“ بخاری نے کہا ”کہیں چلنے جانا ہمارے آئے سے پہلے“

”نہیں تو،“ وہ بولا ”میں کہاں جاؤں گا“

اگلے روز صبح سوریہ کی بخششی اور بخاری آگئے

”آج تو طبیعت اچھی معلوم ہوتی ہے“ بخاری نے بات شروع کی۔

”جی ہاں“ ایلی نے جواب دیا

”کل کیا ہوا تھا؟“ بخاری نے پوچھا

”کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا“ ایلی نے جواب دیا

”تو کہاں گھوم رہے تھے تم؟“

”بس گھوم رہا تھا“

”کسی کام سے نکلے تھے کیا؟“

”نہیں تو ویسے ہی یہاں بیٹھے بیٹھے طبیعت گھرا گئی تھی۔ جدھر منہ اٹھایا چل پڑا“ ایلی نے ہٹنے کی کوشش کی۔

”آج تو نہیں گھبر ار ہی طبیعت؟“

”نہیں تو،“ وہ ہٹنے لگا ”آج تو کوئی ایسی بات نہیں“

”کل کیا بات تھی؟“ بخششی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا

شاپید ہم کچھ مدد کر سکیں بخاری نے کہا

”بات تو کوئی نہیں“ ایلی نے جواب دیا

”تو اس بات کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے؟“

”کس بات کے متعلق؟“ ایلی نے پوچھا

”سوموار کو دو بجے“ اس نے حیرت سے بخاری کی طرف دیکھا پھر فتحا اے یاد آیا۔

”ارے یعنی میرا مطلب ہے یعنی میرا؟“ ایلی گھبرا گیا
”دیکھو بھائی الیاس!“ جنہی مسکرا یا اس کی مسکرا ہٹ بڑی تسلی بخش تھی ”بات یہ
ہے ہم نے وہ خط پڑھ لیا ہے۔“

”خط؟“
”تم نے خود ہی تو دیا تھا تمیں چائے کی دوکان میں،“ بخاری مسکرانے لگا
”میں نے؟“

”گھبراو نہیں تمہارا لازم جمادے پاس محفوظ رہے گا“ بخاری نے اسے تسلی دی
ایلی سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ دیرینگ کرنے میں خاموشی چھائی رہی۔

”تمہیں اس لڑکی سے محبت ہے کیا؟“ بخاری نے پوچھا
”محبت؟ مجھے معلوم نہیں“ ایلی نے جواب دیا
”ہوں“

”تو کیا تم دو بجے وہاں جاؤ گے؟“
”ہاں مجھے جانا ہی ہو گا“

”کیوں کوئی مجبوری ہے کیا؟“ جنہی نے پوچھا
”نہیں تو،“ ایلی نے جواب دیا

”تو پھر جانا ہی ہو گا کیوں؟“ بخاری نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

”میں اسے دھوکہ نہیں دے سکتا“ ایلی نے جواب دیا ”اور اگر میں نہ گیا تو؟“
”تو کیا؟“ بخاری نے پوچھا

”تو وہ ورنہ“ ایلی نے وضاحت کرنے کی کوشش کی
”ورنہ؟“

”ہاں“ اس نے لکھا ہے ضرور آنا ورنہ

”ورنہ تو یہ ہمیشہ ہی صحی ہیں“ بخاری ہشنے لگا

”نہیں“ ایلی بولا ”تم اسے نہیں جانتے میں اسے جانتا ہوں اور اس کے ورنہ کو بھی“

”ہوں“ وہ خاموش ہو گئے۔

”الیاس برانہ مانو تو میں یوچھوں کو وہ کون ہے؟“ بخاری نے پوچھا

”کون ہے؟ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون ہے؟“ ایلی نے جواب دیا

”میرا مطلب ہے اس کھرانے سے ہے؟“ بخاری نے پوچھا

”میں نہیں جانتا مجھے اس کا علم نہیں“ ایلی نے جواب دیا

بخشی اور بخاری نے حیرت سے ایلی کی طرف دیکھا ”اس کے رشتے داروں کے متعلق“، بخشی نے پوچھا

”مجھے نہیں معلوم؟“ ایلی نے بخشی کی بات کاٹ دی۔

”اچھا“ وہ سوچ میں پڑ گئے ”تعجب کی بات ہے“ کچھ دریک وہ خاموش رہے

”تو کیا تمہارا فیصلہ اُلی ہے؟“ بخاری نے پوچھا

”ہاں میں جاؤں گا“ ایلی نے جواب دیا ”مجھے جانا ہی ہو گا“

”اس کے نتائج سوچ ہیں تم نے؟“

”نہیں مجھے نتائج کی پروانہیں“

”اوہ“

”تمہارے پاس کوئی جگہ ہے جہاں اسے لے جاسکو؟“

”نہیں“

”کوئی بھی نہیں“

”اونہوں“

”روپے کا انتظام ہے؟“

ایلی نس پڑا ”میرے پاس روپیہ کہاں؟“

”کوئی دوست ہے؟“

”اونہوں“

کچھ دیر تک وہ خاموش رہے بخشی کی آنکھوں میں غم کی گھٹائیں چھائے جا رہی

تھیں۔ بخاری کے ہونٹوں پر عجیب ساتھیم تھا۔

”اور اگر تم پکرے گئے تو؟“

”پکڑا جاؤں گا اور لیا،“ ایلی نے کہا

”اور اگر رُکی نے تمہارے خلاف بیان دے دیا پھر؟“

”نہیں،“ ایلی بولا

”نہیں کیا؟“

”وہ میرا ساتھ دے گی“

”تمہیں یقین ہے؟“

”ہاں“

”اوراگر“

”اونہوں“ ایلی نے بخاری کی بات کاٹ دی ”کوئی اگر مگر نہیں،“ کمرے پر خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر کے بعد بخاری نے کہا ”بھائی الیاس مجھے تم سے مل کر بے حد خوشی ہو رہی ہے۔“

”کیوں؟“ ایلی نے پوچھا

”تم ان سوالات کا برآتو نہیں مان رہے“

”نہیں اب کیا ہے؟“ وہ بولا

”اوراگر تم ہار گئے؟“

”تو کیا ہوا؟“ ایلی نے کہا

”اس کا مطلب ہے کہ تم اس سے محبت کرتے ہو“

”مجھے نہیں معلوم“ ایلی نے کہا ”اگر مجھے وہ نہ ملی تو میں محسوس کروں گا جیسے میں

نے کچھ کھو دیا ہو“

”اچھا“ بخشی نے کہا ”ابھی تو دو دن باقی ہیں آج ہفتھے چھٹا“

”اچھا“ ایلی نے پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ ابھی دو دن باقی ہیں۔

”اگر تم ہمیں سارا قصہ سناؤ تو کوئی حرج ہے؟“ بخاری نے پوچھا

”اب کیا ہے؟“ ایلی نے کہا ”لیکن جاہ اوپر نہ لادے“

”اچھا تو کل ہم پھر جسمیں گے۔ شاید پچھا ہو سکے“

”بھگوان کرے“ بخشی بولا اور وہ دونوں رخصت ہو گئے۔

انگلے روزوہ دونوں اسے باغ میں لے گئے اور وہاں بیٹھ کر ایلی نے مختصر طور پر موئی موئی واقعات انہیں سنادیئے اور ان کی خواہش پرواپی پر سفید منزل انہیں دکھاوی۔

اللہ ہوا کبر

بخشی اور بخاری سے مل کر ایلی کو اک ان جانی تسلی ہو گئی۔ حالانکہ انہوں نے اس کی امد اور کرنے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔ لیکن بخشی اور بخاری دو عجیب شخصیتیں تھیں۔ ان کے پاس بیٹھ کر محسوس ہوتا تھا۔ جیسے اپنوں کے پاس ہو۔ بخاری کی باتیں تلخ تھیں۔ لیکن اس کے خلک رویہ سے محبت اور ہمدردی گویا رستی تھی۔ بخشی کی باتیں مٹھاں بھری تھیں اور وہ یوں جذبات سے سرشار رہنے کا حادی تھا۔ جیسے بھیگا ہوا کبوتر ایلی نے عجیب سے تسلی محسوس کی تھی۔ نہ جانے کیسے ایلی کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ دوستوں سے گرا ہوا ہے۔ پکڑے جانے یا قید ہو جانے کے فکر سے تو ایلی آزاد تھا۔ بلکہ وہ یہی جیسے اس روز سلسلے ہوئے سگریٹ کے لئے وہ سادی کے زینے میں پانچ گھنٹے

بیٹھا رہا تھا۔ البتہ اسے ایک ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سوموار کورات کے دو بیجے مقررہ جگہ پہنچ نہ سکے۔ گویا اس وقت اس کا مقصد حیات صرف یہ تھا کہ رات کے دو بیجے وہاں پہنچ جائے اس کے بعد کیا ہو گا۔ کیسے ہو گا اس کے متعلق اس نے کچھ نہ سوچا تھا۔ وہ اس کے متعلق سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے بعد چاہے کچھ ہو جائے پڑا۔

- ۶۰ -

سوموار کے روز بھی اور بخاری دونوں بار بار ایلی کے پاس آئے اور اسے موہوم سے تسلی دے کر پھر چلے گئے۔ ان کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ انتظامات میں معروف ہیں۔ ایلی کے پاس آ کر بھی وہ الگ ہو کر آپس میں بحث کرتے اڑتے جھگڑتے اور پھر کہیں چلے جاتے۔ شام کے وقت وہ دونوں ایلی کو باہر لے گئے۔

پارک میں پہنچ کر وہ ایک نیخ پر بیٹھ گئے بخاری نے ایلی کے دونوں شانے پکڑ لئے۔

”دیکھو بھائی جو کچھ ہم سے ہو سکا ہم نے کر دیا ہے۔ اب غور سے سن لو اور اچھی طرح سمجھ لو۔ رات کو تم اکیلے جاؤ گے لیکن ہم تمہارے بالکل قریب ہوں گے۔ فکر نہ کرنا۔ اگر کوئی مشکل پڑی تو۔“

اگر بات بن گئی تو تم اسے لے کرنا وہ گھر کی طرف نہ آنا بلکہ اس سے متفاہمت کی گلی سے ہوتے ہوئے سڑک پر پہنچ جانا۔ سڑک وہاں سے چالیس پچاس قدم دور ہے۔ وہاں تمہارے لئے ایک موڑ کھڑی ہو گی یہ موڑ تمہیں سیدھی کراچی لے جائے گی۔ اگر تم کراچی بخیر و عافیت پہنچ گئے تو پھر اللہ مالک ہے۔

عین اس وقت قریب کی مسجد سے مودون للکارا ”اللہ اکبر“

ایلی کی نس نس میں ایک بر قی رو سی دوڑگئی اس نے پہلی مرتبہ حیرت سے بجنیشی بخاری کی طرف دیکھا اور محسوس کیا۔ جیسے وہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہوں جو اللہ

واسطے اس کی امداد کر رہے ہوں بے مقصد بے لاغ امداد اللہ اس کے دل میں پہلی مرتبہ ایک گونج سی پیدا ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں شدت تاثر سے آنسو آگئے۔

”میں میں“ ایلی نے شکر گزاری سے ان کی طرف دیکھا ”یعنی“ وہ بولا اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی بخاری نہیں پڑا ”ہم یہ کام تمہارے لئے نہیں کر رہے“ اس نے کہا ”اس میں احسان مندی یا شکر گزاری کا کوئی موقع مخل غیبیں“ بخاری نے ایک دلبی آہ بھری اور پھر کلوگیر آواز میں بولا ”جو خود رعشی سے محروم گردیئے گئے ہوں وہ دوسروں کو راہ دکھاتے میں سرست محسوس کرتے ہیں“

ایلی نے حیرت سے بخاری کی طرف دیکھا اس نے محسوس کیا جیسے اس کے پہلوؤں ایک لامتناہی خلا ہو چکے دنیا کی تمام تغییل اور سرتین پرنہ کر سکتی ہوں۔ اللہ ہوا کبر موزن اذان ختم کر رہا تھا۔

اللہ ہوا کبرا ایلی کے دل کی گہرائیوں سے آواز آئی۔ سامنے بخاری مسکرانے کی شدید کوشش کر رہا تھا۔ قریب ہی بخشی کی آنکھوں میں یونہابا عمدی ہو رہی تھی۔

تمام تفصیلات سمجھ کر وہ دونوں ایلی کو سفید منزل کی طرف لے گئے اور عملی طور پر اسے سمجھانے لگے ”یگلی ہے ادھر سے تمہیں آتا ہے۔ اس طرف کو۔ یہاں موڑ کھڑی ہو گی عین اسی جگہ اور ہم تمہارے ساتھ ساتھ رہیں گے۔ پاس نہیں بلکہ قریب یہ نہ سمجھنا کہ تم اسکیلے ہو۔“

تمام تفصیلات سمجھانے کے بعد جب وہ ناؤ گھر پہنچ تو سائز ہے نوبجے تھے۔ وہ سید ہے اور نیم چھتی کی طرف چل دیئے۔ تاکہ جاہ بھا اور پال کوان کی آمد کا علم نہ

۔ ۶۰

حد ہو گئی

جب وہ نیم چھتی میں پہنچ تو دروازے میں جمال کھڑا مسکرا رہا تھا۔ جمال کو دیکھ کر ایلی کا دل بیٹھ گیا۔ جمال کو دیکھتے ہی یہ احساس اس کے رُگ و پے میں سراپا ہت کر گیا

کوہ مجرم ہے۔ اس نے جمال کو دھوکا دیا ہے۔ احساس گناہ سے اس کی گردن لٹک گئی۔

ایلی نے اس احساس سے مخلصی پانے کی شدید کوشش کی مگر ناکام۔ وہ احساس اس شدت سے اس پر طاری ہوا۔ کہ اس دھماکے میں ایلی کی شخصیت بہہ گئی وہ جمال کے روپ و کھڑائیں ہو سکتا تھا۔ اس کی طرف نگاہ بھر کر دیکھنے سکتا تھا۔

پھر اس نے اپنا اول کڑا کر لیا۔ اور پھر بن کر کھڑا ہو گیا اس ڈر کے مارے کہیں جمال کے قدموں میں گز کر معافی مانگنے کے لئے منتیں کرنا شروع نہ کر دے۔

جمال ایلی کی طرف بڑھا۔ ایلی سبھیک ہے تا؟“

ایلی نے اثبات میں سر بلیا۔
”بجھی بخاری جی کیا حال ہے جاہ سے ملنے آئے تھے کیا؟“ جمال نے ان سے بات کی

”ہاں“ بجھی نے کہا اور پھر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

”ان کا حال سناؤ ایلی“ اس نے اشارتاً پوچھا

”ٹھیک ہیں“ ایلی نے کہا

”کوئی آیا تھا؟“

”نہیں“

”خط بھی نہیں؟“

”نہیں“

”پیغام؟“

”نہیں“

”تو بات ختم ہو گئی“

”ہاں“

جمال مایوس ہو گیا اور برساتی کے باہر کوٹھے پر شہنے لگا
بخاری ایلی کے قریب تر ہو گیا ”یہ تھا راساتھی تھا؟“

”ہاں“ ایلی بولا

”ساتھی کو اپنے خلاف کر لیما و اشمندی نہیں“

ایلی خاموش رہا

”اے بتا دینا چاہیے“ بخاری نے کہا

”لیکن میں میں کیسے بتاؤں“

”اس سے بات پیچی نہ رہ سکے گی“ بخاری بولا

”ہوں“ ایلی کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ جمال کے روپ و اقبال جرم کرے۔ کچھ دریے کے بعد جمال مڑا۔ ایلی انہوں نے بلا یا تو نہیں تھا؟“

”ہاں“

”بلایا تھا؟“ جمال نے دہرا دیا

”بلایا ہے“ ایلی نے جواب دیا

”کب؟“

”آج رات کے دو بجے“

”آج“ جمال کا چہرہ سرخ ہو گیا ”دو بجے“ محیرت سے اس کامنہ کھلا کا کھلا رہ گیا ”
ہاں دو بجے۔“

”دقائقاً جمال نے محسوس کیا کہ وہ بخششی کے سامنے ہی با تین کئے جا رہا ہے“ ”اوہ“
اس نے ان کی طرف دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی۔“

”جمال بخششی“ بخاری نے پہلی مرتبہ جمال سے بات کی ”الیا س آج جا رہا ہے“

”جا رہا ہے کہاں؟“

”اس لڑکی کو ساتھ لے کر جا رہا ہے۔“

”کیا مطلب تم جا رہے ہو ایلی؟“ وہ ایلی سے مخاطب ہوا

”ہاں“ ایلی نے سر ہلا دیا

”کس کے ساتھ؟“

”چھوٹی کے ساتھ“

”چھوٹی کے ساتھ“ وہ حیرت سے سر کھجانے لگا ”حد ہو گئی“ اس نے صحن میں ایک

چکر کانا۔

”چھوٹی نے بلایا ہے کیا ہے؟“ جمال نے پوچھا

”ہاں“

”حد ہو گئی“ ”حد ہو گئی“ وہ دیوانہ وار حسن میں گھونٹنے لگا۔

”کہاں جاؤ گے؟“ جمال پھر رک کر پوچھنے لگا

”پتھر نہیں“ ایلی بولا

”پتھر نہیں حد ہو گئی“ جمال چلا یا

بجنگشی اور بخاری چپ چاپ دیوار کے قریب کھڑے تھے ایلی زینے کے پاس
تیوری چڑھائے جمال کی طرف دیکھ رہا تھا۔

جمال کوٹھے پر دیوانہ وار گھوم رہا تھا ”حد ہو گئی“ وہ اپنے آپ چلا رہا تھا ”یہ کیسے ہو
سکتا ہے۔ عجیب بات ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”فلاٹ جمال رکا“ ”خط آیا تھا کیا؟“

”ہاں“ ایلی نے کہا

”اسی کے ہاتھ؟“

”نہیں“

”رومی ٹوپی والا لایا تھا؟“

”نہیں؟“

”تو پھر؟“

”ڈاک سے“

”اوہ ڈاک سے“ جمال پھر مفتر بانہ طور پر شہلے لگا۔ پھر کا ”اگر اگر میں میں یعنی“ اس نے ملچھی نگاہوں سے ایلی کی طرف دیکھا۔

”ہاں“ ایلی نے جواب دیا اور لفافے سمیت ساوی کا خط جمال کی طرف بڑھا دیا۔

جمال نے لپک کر وہ خط اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ پتھر دیکھا پھر بے صبری سے رقعت کالا اور روشنی تکھڑا ہو کر اسے پڑھنے لگا۔

دیر تک وہ وہاں کھڑا رہا۔ نہ جانتے تھی مرتبہ خط پڑھا ہوگا۔ پھر گویا اس کے جسم کا تناؤ ٹوٹ گیا ہاتھ لٹکنے لگے گال ڈھلک گئے ”حد ہو گئی“ اب اس نے اور انداز سے کہا ”اچھا بھائی“ وہ ایلی کے قریب آ گیا ”تمہیں مبارک ہو“ اس نے خط واپس دیتے ہوئے کہا۔

”جمال صاحب“ بخاری نے کہا ”آپ تو انہیں جانتے ہیں کیا وہ آئے گی؟“

”آئے گی؟“ جمال نے دہرا دیا

”مطلوب ہے کیا وہ بات کی پکی ہے۔“ بخاری نے پوچھا

”مجھے نہیں معلوم“ جمال بولا ”ایلی کو معلوم ہے میں تو اسی کے سہارے“ اس نے ایلی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ بخششی گھبرا کر سی کرنے لگا جیسے اسے بہت کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہو۔

”مجھے تو کچھ علم نہیں میں تو میں تو“ جمال بولا ”میں تو حیران ہوں۔ مجھے کچھ سمجھے میں نہیں آ رہا۔“

بخاری بت بنا کھڑا تھا

ایلی احساس ندانست سے بھیگا ہوا تھا۔

بجنگی چپ چاپ ظلم سہے جا رہا تھا۔

جمال کبھی سوچ میں پڑ جاتا کبھی سر لکا دیتا کبھی مسکرانے کی کوشش کرتا کبھی سر کھجاتا اور اپنے آپ سے کہا ”حد ہو گئی“ پھر دنگنا ایلی کی طرف دیکھ کر نہ جانے اسے کیا ہوا بھاگ کروہ ایلی سے پلت گیا۔

”ایلی تم مال ہو۔ تمہارا جواب نہیں تم نے حد کر دی۔ تم ہمیشہ حد کرتے ہو۔ لیکن یا ر تم نے یہ کیسے کر دیا۔ مجھے ہر یہی خوشی ہے ایلی۔ ہر یہی خوشی ہے۔ مجھے تم پر یہی امید تھی“ جذبات کی شدت کی وجہ سے وہ رک گیا۔ ایلی کی گردن لکھ گئی اس نے محسوس کیا جیسے وہ اتنی وہ مجرم ہو۔

”آپ کو نہیں معلوم،“ وہ بجنگی بخاری سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ”ایلی نے شیر مارا ہے۔ شیر ببر۔ آسمان کا تارہ توڑ لایا ہے۔ یہ جادوگر ہے جادوگر اس کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ میں اس کے جادو سے واقف ہوں۔“

بجنگی بخاری حیرت سے جمال کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”اور وہ“ جمال ہٹنے لگا ”وہ پیچھے ہٹنے والی نہیں وہ معمولی اڑ کی نہیں“ ”اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ کون ہے جو اسے روک سکے کون ہے جو اس کی طرف ہاتھ بڑھ سکے“ جمال ہٹنے لگا اس کی بُنسی میں شیر یا کاغذ رکھتا بجنگی چپ چاپ کھڑے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

گھڑی نے بارہ بجا دیئے۔

”اچھا تو“ جمال چلایا ”میرا دوست آج جا رہا ہے وہ کہتے ہیں نا کیا کہتے ہیں وہ۔

باسلامت روی۔ مجھے یاد نہیں رہا“ وہ بولا

”اچھا“ بخاری نے کہا ”وقت کم ہے۔ ہم ذرا موڑ والے کو دیکھ آئیں جب تک تم تیاری کرو ایلی“

”تیاری“ ایلی نے دہرایا ”میں کیا تیاری کروں گا؟“
”کوئی چیز ویر،“

”میرے پاس کچھ بھی نہیں،“

”جمال صاحب آپ ایلی کے ساتھ جائیں گے۔ میرا مطلب ہے صرف اسے
لانے کے لئے“
بخاری نے کہا
”ہاں ہاں“ جمال چلانے لگا ”میں ساتھ جاؤں گا۔ میں ان کا ساتھی ہوں۔ اس
نے میرا ساتھ دیا تھا۔ اب میں اس کا ساتھ دوں گا۔ میں انہیں خود موڑ میں بٹھاؤں
گا۔ کیوں ایلی مجھ ساتھ لے چلو گے؟“
ایلی ڈرتا تھا کہ بخشی بخاری کے جانے کے بعد وہ جمال کے ساتھ اکیلانہ رہ جائے
اس لئے وہ نیچے اتر گیا۔

”میں ذرا جاہ اور پال سے مل لوں“ وہ بولا
جاہ اپنی چار پالی پر پڑا سورہا تھا۔ ایک ساعت کے لئے ایلی اچکچکایا۔ پھر اسے خیال
آیا کہ شاید پھر کبھی ملاقات نہ ہو۔

”جاہ جاہ“ ایلی نے اسے جھنجھوڑا

”جاہ نے کروٹ لی“ جاہ وہ چلا یا جاہ نے سراٹھیا ”ہوں؟“

”میں جاہ ہوں“ ایلی بولا

”اچھا“ وہ نیند میں بولا اور پھر اپنا دایاں ہاتھ بڑھا دیا ”خدا حافظ“
ایلی نے جاہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بے پناہ پیار سے اسے سہلانے لگا۔ لیکن جاہ پھر سو گیا
تھا۔

پال ابھی اپرے طور پر نہیں سویا تھا ”کہاں جا رہے ہو؟ اس نے پوچھا“
”گھر جا رہا ہوں“

”تو جاؤ میں سمجھا شاید سات سمندر پار جا رہے ہو“ پال بولا

”ہاں“ ایلی نے کہا ”سات سمندر پار جا رہا ہو۔ وہیں گھر بناؤں گا“ پال انھوں نے بیٹھا اور پھر مذاق میں ایلی سے لپٹ گیا۔

”اس وقت کون سے گاڑی جائے گی؟“ بھانے پوچھا

”جائے گئی“ ایلی نے جواب دیا

”کوئی پیش ہی اُن سکتی ہے“ بھانے کہا

”ہاں پیش ہی ہے“

”اب یہ پوچھو بھاکر پیش کے کون سے ڈبے میں بیٹھو گے؟“ پال بولا

”اس سے پہلے تو کہنی اینی یوں مل کر نہیں گیا“ بھانے کہا

ایلی نے محسوس کیا کہ اگر کچھ دیرے لئے وہاں رکا تو وہ سب جاگ پڑیں گے اور باقی میں شروع ہو گئیں تو ”اچھا تو خدا حافظ“ وہ اٹھا اس کی آواز گلوگیر تھی

اپیچی

عین پونے دو بجے جمال اور ایلی اس کھڑکی کے پاس جا کھڑے ہوئے وہ دونوں چپ چاپ کھڑے تھے۔ گلی ویران تھی۔ قبرستان کے پر لے سرے پر کوئی فقیر گدڑی میں لپٹا پڑا تھا ایلی کا دل دھک دھک کر رہا تھا دیر تک وہ کھڑے رہے۔ وہ پندرہ منٹ پندرہ گھنٹوں سے زیادہ طویل ہو گئے تھے۔

قریب ہی کسی گھڑی نے دو بجے جمال بولا ”کیا دونج گئے، واقعی دونج گئے۔ کیوں ایلی سنا تم نے۔“

”میں دو ہی بجے ہیں کیا؟“ ایلی نے کوئی جواب نہ دیا

دیر تک وہ دونوں چپ چاپ کھڑے رہے

پھر سفید منزل سے یوں آوازی آئی جیسے کوئی ٹرک کھینچ رہا ہو۔ وہ چوکنے ہو گئے۔

پھر خاموشی چھا گئی۔

پھر زینے میں پاؤں کی چاپ سنائی دی۔

”وہ وہ“ جمال بولا

ایلی نے آہستہ سے بند کھڑکی کو انقلی سے بجا لیا

اندر سے دروازے کی چیختن کھلنے کی آواز آئی۔

وہ دونوں لپک کر دروازے کے مقابل جا کھڑے ہوئے۔ دروازے میں کوئی سیاہ نقاب میں مجبون کھڑا تھا۔

”سادی؟“ ایلی نے پوچھا۔

”جواب میں اس نے اونچے کا ایک پیچی آگئے ہلاکھا دیا۔“

”یہ کیا ہے؟“ ایلی نے ولی زبان میں پوچھا۔

”میرا زیور ہے“ سادی نے جواب دیا۔

”اوہ ہوں“ ایلی بولا اسے واپس رکھا تو۔

”کیوں؟“

”یہ میں ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔“

”یہ تو پاگل ہے“ جمال بولا ”لاو مجھے دو“ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی اٹھالیا

”نہیں سادی“ ایلی دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا ”یہ ہمارے ساتھ نہیں جائے گا۔“

وھڑاڑاڑاڑام

سفید منزل سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی بڑا ساڑنگ کسی نے اٹھا کر فرش پر دے مارا ہو۔

”بائے اللہ“ سادی نے ہاتھ سینے پر رکھ لئے ”باجی“ وہ بولی پھر سفید منزل میں کھرام مچ گیا۔

چار ایک مردان کی طرف لپکے۔ وہ ایلی کے قریب آئے اور پھر نہ جانے کیوں

اسے چھوڑ کر انہوں نے جمال کو دیکھ لیا۔ سادی نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر اندر گر پڑی۔

ایلی کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ کیا ہو رہا ہے۔ نیچے گلی میں وہ جمال کو پیٹ رہے تھے اور پر کوئی کراہ رہی تھی، کوئی بین کر رہی تھی۔ بند کھڑکیاں کھل رہی تھیں۔ پھر ایلی چلانے لگا۔

”میں ہوں میں میں ہوں میں، ادھر دیکھو ادھر دیکھو میں ادھر ہوں“ لیکن میں اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے باری باری اس نے ہر شخص کو شانے پرستے جھنچھوڑا ”نہیں میں ہوں۔ اسے چھوڑو میں ہوں میں“ لیکن اسکی اس کی طرف توجہ نہ دی وہ سب دیوانہ اور جمال سے کشیدی اڑنے میں مصروف تھے۔

”کون ہے کون ہے۔ کیا ہوا“ دو شخص ایلی کی طرف لپکے

”میں ہوں میں“ وہ چلایا

”اچھا تو تم ہو“ ان دونوں نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر گھینٹنا شروع کر دیا۔
پھر وہ دونوں ایلی کو کسی تنگ جگہ میں ٹھوں رہے تھے۔

ہوا کے چار ایک جھوٹکے لگے تو ایلی نے دیکھا کہ وہ موڑ پر سوار ہے اور اس کے پاس بجھی اور بخاری بیٹھے ہیں۔

”نہیں نہیں“ وہ انہیں دیکھ کر چلایا ”مجھے جانے دو مجھے جانا ہے“ وہ چلاتا گیا لیکن گاڑی فرائی بھرتی چلتی رہی۔

”یتم کیا کر رہے ہو“ ”نہیں نہیں میں نہیں جاؤں گا۔ مجھے جانا ہے۔ مجھے چھوڑ دو“

”روک لو، روک لو“ ایلی چیخ رہا تھا دیر تک وہ چلاتا رہا پھر دفعتاً بخاری بولا ”گاڑی روک لو“
گاڑی رک گئی

”مجھے جانا ہے بخاری جی مجھے جانا چاہئے مجھے جانا ہوگا“ ایلی کے سر پر گویا جنون سوار تھا۔

”لیکن،“ بخشی بولا

”لیکن ویکن کچھ نہیں اگر میں نہ گیا تو زندگی بھر،“ وہ رک گیا

”زندگی بھر،“ اس نے پھر ناکام کوشش کی

”موڑلو،“ بخاری نے ڈرائیور سے کہا

موڑواپس جاری تھی وہ تینوں خاموش تھے۔

ایلی کو کچھ احساس نہ تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کیوں واپس جا رہا ہے۔ واپس جا کرنا سے لیا کرنا ہے۔ اس وقت یہ بھی خیال نہ آیا کہ سادی خطرے میں تھی۔ اسے یہ بھی احساس بھی نہ تھا کہ جمال کو چھڑانا اس کا اخلاقی فرض تھا۔ اس وقت فرض اور اخلاق ایلی کے لئے دو ہمیں لفظ تھے۔ اسے صرف ایک خیال تھا کہ سادی کیا کہے گی کہ ایلی بھاگ گیا سفید منزل سے دور ہی انہوں نے اسے موڑ سے اتار دیا۔

”اچھا بھائی،“ بخاری نے کہا ”خدا حافظ“

ایلی نے اس کی بات نہ سنی اور دیوانہ وار سفید منزل کی طرف بھاگا۔

گلی میں کوئی نہ تھا لیکن سفید منزل کے اروگرد کے سبھی مکانات میں بتیاں جل رہی تھیں اور زیرہ باتیں سنائی دے رہی تھیں۔

سفید منزل کا پھانک نہ صدر دروازہ بند تھا۔ اندر سے آوازیں آرہی تھیں کوئی کسی کوڈاٹ رہا تھا۔ ایلی نے دونوں ہاتھوں سے پھانک بجانا شروع کر دیا۔

”دروازہ کھولو دروازہ کھولو“ وہ رعب سے نہ جانے کے ڈاٹ رہا تھا۔ جیسے کوئی سورما سردار قلعہ کی حیثیت سے قلعے میں واپس آیا ہو۔

اس کی دستک کا کسی نے جواب نہ دیا۔

اس نے دروازے پر دو ہتر مارنے شروع کر دیئے اندر باتوں کا سلسلہ جوں کا توں جاری تھا۔

”میں ہوں میں“، اس نے پھر وستک دی۔ میں ہوں میں، الیاس ہوں ایلی میں واپس آگیا ہوں۔ مجھ سے بات گرو دروازہ کھلوادی اس وقت اسے معلوم نہ تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے کیا کہہ رہا ہے۔ اسے یہ بھی احساس نہ ہوا کہ ارگو کے مکانات کے لوگ کھڑکیاں کھول کھول کر باہر جھانک رہے تھے۔ اندر سے کندی کھلنے کی آواز آئی۔

”کون ہے؟“ ایک دبليے پتلے شخص نے پورا دروازہ کھولے بغیر درز سے باہر جھانکا۔ ”میں ہوں میں“ ایلی بولا۔ ایلی جسے تم تلاش کر رہے ہو وہ ایلی“ ”کون ہے؟“ اندر سے کسی اور شخص کی غصے بھری آواز آئی۔ ”پکڑ لاؤ اس بدمعاش کو“ وہ گرجا۔

دبليے پتلے آدمی نے ایلی کا بازو پکڑ کر اسے یوں اندر گھیٹ لیا جیسے تمبا کو کی بوری ہو۔ ”بدمعاش“ وہ دانت پینے لگا اور پھر اسے ایک کمرے میں دھکا دے کر باہر سے کندی لگادی۔

چور
چند ہی ساعت میں کسی نے کندی کھولی ایک اجنبی نوجوان اندر داخل ہوتے ہوئے چلایا
کون ہے تو؟
میں الیاس ہوں؟
کون الیاس؟
جسے تم تلاش کر رہے ہو۔ میں واپس آگیا ہوں۔ وہ غلط آدمی ہے جسے تم نے پکڑا

ہوا ہے۔ مجھ سے کرو بات

نووار نے غصے میں ہاتھاٹھایا۔ میں تمہاری ہڈی پسلی توڑ دوں گا۔

ایلی چپ چاپ کھڑا رہا ”توڑ دیجئے“ وہ بولا

”تم نے کوئی دھوکا کیا فریب کیا تو یاد رکھ میرے سر بانے تلے پستول پڑا ہے۔“

”میں کب کہتا ہوں کہ میں نے احسان کیا ہے آپ پر“ ایلی نے غصے سے بھر کر کہا

”تو کس پر احسان کیا ہے“ ”نوجوان چلا یا

”کسی پر بھی نہیں“

”تم پہلے کبھی آئے اس کھر میں؟“

”نہیں“

نوجوان خاموش ہو گیا اور ایک سگرٹ لگا کر پینے لگا

ایلی غور سے اسے دیکھ رہا تھا

وہ ایک خوبصورت جوان تھا۔ درمیانہ قد بھرا بھرا جسم گدے سے ہاتھ پاؤں۔

سفید رنگ، فراخ ماتھے پر تیوری تھی۔ خمار ہونٹوں میں مسکراہٹ دلی ہوئی تھی اس نے انگریزی طرز کا سلپنگ سوٹ پہن رکھا تھا۔

وہ کمرہ نہایت مختصر تھا۔ دیواروں پر ہلاکا گلا بی پینٹ کیا ہوا تھا۔ پلنگ پر جدید طرز کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ سر بانے کا غلاف ہم رنگ تھا۔ تپائی پر دو ایک کتابیں پڑی تھیں۔ پانی کے لئے ایک کانچ کی صراحی تھی۔ کارنس پر دو ایک چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔

پلنگ پر لیٹے ہوئے سگرٹ کے کش لگاتے ہوئے نوجوان کبھی کبھی آنکھ بچا کر ایلی کی طرف دیکھتا اور پھر یوں چھٹ کو گھورنے لگتا جیسے خوفناک ارادے قائم کرنے میں شدت سے مصروف ہو۔

دفعتا اور پر سے چینوں کی آواز سنائی دی کوئی چلا رہی تھی۔ کوئی ٹین کے ڈبے بجا رہا

تھا۔ کوئی کراہ رہی تھی۔ پھر کوئی قہقہہ مار کر نہس رہی تھی۔

نوجوان چھلانگ مار کر اٹھا۔ دروازے میں کھڑے ہو کر اس نے اوپر جنگلے کی طرف دیکھا اور پھر رعب سے للاکارا ”کیا ہو رہا ہے؟“ آوازیں بدستور جاری بریز پھروہ ایلی کی طرف مڑا خبردار ”نوجوان چلایا“ اگر بھانگنے کی کوشش کی اور پھر قریب ہی زینے میں داخل ہو گیا۔

بن باس

ایلی اکیلا رہ گیا صدر دروازے سے ماحقرہ کمرے میں سے چاراکیک شخص باہر نکل کر ڈیوڑھی میں کھڑے ہو گئے۔ ایلی غور سے ان آوازوں کو سن رہا تھا۔ جو اوپر سے آ رہی تھیں۔ لیکن نہ تو باجی اور نہ سادی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ جیران ہو رہا تھا کہ اوپر صورت حال کیا ہے۔ بہر حال صورت حال تسلی بخش نہیں معلوم ہوتی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ اس بات پر خوشی محسوس کر رہا تھا کہ اوپر حالات تسلی بخش نہیں معلوم ہوتے تھے۔

خیال آیا وہ مڑا اوپر والے زینے کے مقابل میں ایک دروازہ تھا۔ ہوں اس نے سوچا تو یہ ہے وہ کمرہ جس میں ہم ملا کرتے تھے۔ دروازہ بند تھا۔ لیکن وہ محسوس کر رہا تھا۔ جیسے کھلا ہو۔ سامنے وہ پاٹ پڑے تھے اس کے قریب ہی کاٹھ کباڑ والا زینہ تھا۔ سلاخوں والی کھڑکی کے قریب ایک ان سلاگ سگرٹ پڑا تھا۔

پھر باجی دبے پاؤں زینے سے اتر رہی تھی ”خدا کے لئے“ وہ بولی ”آپ اب جائیں بیہاں سے“

”چلا جاؤں گا چلا جاؤں گا۔ گھبرا تی کیوں ہیں آپ اب جانا ہی ہے نا“ ”نہیں نہیں“ اوپر کوئی چیخ کر بولی وہ چونکا اوپر دیکھنے لگا

کوئی رورہی تھی

پھر دفعتاً نوجوان سیر ہیوں سے نکل کر اندر داخل ہوا ”آپ؟“ اس نے ایلی کی طرف دیکھ کر کہا اور رک گیا

”تم“ کچھ دیر کے بعد نوجوان نے غصے سے ایلی کی طرف دیکھا۔ تم نے میری زندگی حرام کر دی ہے اس نے زور سے دروازے پر لات ماری ”تم نے وہ جرم کیا ہے کہ میں اگر تمہیں قتل بھی کر دوں تو کم ہے۔“

”ہاں“ ایلی نے کہا ”میں نے چوری کرنے کی کوشش کی ہے۔“

”بکونہیں“ نوجوان کی آنکھیں انگاروں کی طرح روشن ہو گئیں ”میں تمہاری ہڈی پسلی توڑ کر رکھ دوں گا“ وہ جوش میں ایلی کی طرف لپکا۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا رکھے تھے۔ ایلی چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ قریب آ کر نوجوان نے اپنی بائیں ایلی کے گرد حائل کر دیں اور اس کے کندھے پر سر رکھ کر بچوں کی طرح بلک بلک کرو نے لگا۔ نوجوان کی کراہیں سن کر اوپر خاموشی طاری ہو گئی۔

پہلے تو ایلی حیران کھڑا رہا۔ پھر اسے وہی خوبصوری محسوس ہوئی جو سادی کے لباس میں ہوتی تھی اور کمرے کی فضائیں اڑا کرتی تھی۔ وہ نوجوان کے قریب تر ہو گیا۔ اس کا جی چاہا کہ اس کا دامن پکڑے اور اسے اپنی آنکھوں پر ملے۔

دیر تک وہ دونوں بغل گیر ہے۔

خوش شکل جوان نے آنکھیں پوچھیں اپنا آپ قابو کر کے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو پلٹگ پر بیٹھ گیا۔

”مجھے ساری بات بتا دیجئے“ اس نے ایلی سے کہا اس کا انداز بالکل بدلا ہوا تھا۔

”ساری بات؟“ ایلی نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا

”مجھ سے کوئی بات نہ چھپائیے“ نوجوان نے منٹ کی

”لیکن،“ ایلی بولا ”میں تو چور ہوں چوری کے لئے آیا تھا۔“

نوجوان خاموش ہو گیا

”ایک بات پوچھوں،“ کچھ دیر کے بعد نوجوان نے بات کی
”فرمائی۔“

”اگر ہم پولیس بلوا لیتے تو میں آپ وہی بیان دیتے۔“

”بے شک،“ ایلی نے کہا

نوجوان پھر سوچ میں پڑ گیا

”آپ نے انہوں کا فیصلہ کیا،“ نوجوان نے پوچھا

ایلی خاموش رہا۔

کیا یہ بھوپال آپ کی طرف سے تھی نوجوان رک گیا

”میری طرف سے،“ ایلی نے جواب دیا

”جس کہہ دے ہے ہیں آپ،“ نوجوان نے پوچھا

”ہاں،“ ایلی بولا

آپ کا مقصد اسے گراہ کر کے خراب کرنا تھا۔

”یہ غلط ہے،“ ایلی نے غصے میں نوجوان کی طرف دیکھا

”تو کیا مقصد تھا،“ نوجوان نے پوچھا

”ظاہر ہے،“ ایلی نے جواب دیا

”ہمیں بلیک میل کرنا ہوں،“ نوجوان کو پھر سے غصہ آگیا۔

”یہ الزام ہے،“ ایلی نے دانت پیسے

”اوہ،“ نوجوان پھر جلال میں آگیا دور ہو جائیے میری نگاہوں سے میں آپ کی
شکل دیکھنا نہیں چاہتا۔ ہماری زندگی میں آپ کے لئے کوئی جگہ نہیں جائیے جائیے

ایلی جوں کا توں بیٹھا رہا

”آپ نے ہمیں وہ دکھ پہنچایا ہے کہ،“ نوجوان کی آنکھیں چھلنے لگیں۔ لیکن یاد

رکھئے اگر آپ نے پھر کسی قسم کا رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو جاؤ
ایلی پھر بھی بیٹھا رہا

کچھ دیر کے بعد نوجوان پھر لپک کر باہر لگا ”محمد علی“ اس نے کسی کو آواز دی ”باہر
نکال دوائے“

پتا دبلا شخص صدر روزہ را زے سے لپک کر آیا اور ایلی کا با تھکھنے لگا۔ پھر اس نے
صدر روزہ کی بھاڑی چھین کھوئی اور ایلی کو باہر دھکیل کر اندر رہے کنڈی لگادی۔

باہر صحیح کی روشنی پھیلی ہوئی تھی
کھڑکیوں سے لوگ سر نطال کر رکھ رہے تھے لہو اس کی طرف اشارے کر رہے

تھے

”کون ہے؟“

”کدھر ہے؟“

ایلی چپ چاپ سر جھکائے یوں چل رہا تھا۔ جیسے رام بس کو جا رہے ہوں